مرتبہ

محمد سردار علی
(حیدرآبادی)

شمس الاسلام پریس

سلسلۂ ناشرات کتبخانۂ "بزم ادب"
نمبر (۳۱)

نظم کیفی حیدرآبادی

حیدرآباد کے نکتہ رس و نازک خیال شاعر حضرت سید رضی الدین حسن کیفی رحمۃ اللہ علیہ

کی

ادبی، اخلاقی، تاریخی نظموں کا مجموعہ

مرتبہ

محمد سردار علی (حیدرآبادی)
مؤلف مشاہیر اردو۔ تذکرہ شعرائے اورنگ آباد۔ کلام کیفی۔ حیات کیفی وغیرہ

مطبوعہ
شمس الاسلام پریس چھتہ بازار

تعداد طبع (۵۰۰) — سنہ ۱۳۴۵ھ — قیمت (۲ر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ اپنی نسبت

کیفی مرحوم آسمان شاعری کے درخشاں ستارے تھے حیدرآباد کی بزم شاعری میں آپ کو جو درجۂ امتیاز حاصل تھا اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے آپ کو انتقال کئے تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے ارباب ذوق آپ کے کلام کی اشاعت کے دل سے متمنی ہیں اور اس کو شوق کے ہاتھوں لینے کے لئے ہمہ تن منتظر۔ آٹھ سال کی مدت کوئی کم مدت نہیں ہے اصحاب ذوق انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں

اس عالم انتظار میں ایک شخص اٹھتا ہے اور علمی خدمات کے شوق میں بلا کسی امداد اپنے ذاتی صرفہ سے کیفی مرحوم کے کلام کو جس قدر بھی اس سے مہیا ہو سکتا ہے طبع کرا کر شائع کر دیتا ہے۔

جنس بازار میں لائی جاتی ہے اور لوگ اس کو لینے کے لئے مضطربانہ ہاتھ بڑھاتے ہیں اس کو وہ غیر معمولی قبولیت حاصل ہوتی ہے جس کی کبھی توقع نہیں کیجا سکتی تھی۔ علم پرور جماعت کی طرف سے امید سے زیادہ قدر افزائی ہوتی ہے۔ مرتب کی سعی و کوشش کی دل کھولکر داد دیجاتی اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ تائید غیبی! اس کی طرف سے جو انسان کے ارادوں اور نیتوں کو جانتا ہے جو حق کو باوجود ضعف ظاہری کے طاقت بخشتا اور باطل کو باوجود سر و سامان ظاہری کے خاسر اور ناکام رکھتا ہے۔

دیرینہ شکایت یہ چلی آتی ہے کہ قوم میں کام کرنے والوں کی بہت کمی ہے اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن آپ اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جو کچھ بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔

ان کے حسن و قبح کے پہچاننے والے ناپید ہیں اور ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی خیرہ مذاقی کے سبب کام کرنے والوں پر معاندانہ طعن اور نکتہ چینی کرتا اور خود کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔

کلام کیفی کا مرتب بھی اس گروہ کے وار سے نہ بچ سکا۔ وار کئے گئے مگر اوچھے۔ بڑی دماغ پاشی اور جستجو کے بعد ان کرم فرماؤں نے کلام کیفی میں لے دے کے دو بڑی بھاری غلطیاں نکالیں اور بزعم خود اس کو فتحمندی سمجھ کر فخر کے ساتھ اس کی تشہیر کی۔ مرتب کا یہ جرم ان کی عدالت میں سنگین اور ناقابل معافی قرار دیا گیا۔ فرد قرارداد جرم سنئے۔

نمبر (۱) کتاب طباعت کی غلطیوں سے مملو۔

نمبر (۲) حجم (۶۰) صفحہ۔

ارباب دانش خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ اعتراضات کیا وقعت رکھتے ہیں۔

فرد قرارداد جرم کے شائع ہوتے ہی کیا بتایا جائے کہ کیا گزری ان نادان دوستوں نے جس قدر بلند آہنگی کیا تھا اس "چھوٹی سی مطبوع اغلاط سے مملو کتاب" (کلام کیفی) کے شجر ممنوعہ کو ہاتھ لگانے سے عوام کو روکا اسی قدر لوگ کثرت سے اس کی خریداری کی طرف متوجہ ہوئے۔ جن لوگوں کو اس موضوع سے دلچسپی نہ تھی انھوں نے بھی اس خیال سے ایک ایک نسخہ خرید اکہ دیکھیں جس کتاب کی اتنی ہلچل اور دھوم مچی ہوی ہے آخر وہ ہے کیا چیز۔

نفسیات کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ اس میں کیا راز مضمر ہے۔

اچھا اب اس دوراز کار گروہ کا ذکر جانے دیجئے جن ارباب علم و معارف نواز اصحاب نے مبارکباد کے خطوط لکھے اور مرتب کی ناچیز علمی خدمت کی قدر افزائی فرمائی ان میں سے ایک مشہور و معروف مصنف کی رائے ملاحظہ ہو۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"کلام کیفی کا ایک نسخہ پہنچا۔ شکریہ۔ اس کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوی"

حضرت کیفی کو انتقال کرکے آٹھ سال کا عرصہ ہوا اس عرصہ مدت میں

"ان کے کلام کو طبع کرانے کے لیے متعدد جلسے ہوئے چندے ہوئے کانفرنس نے بھی امداد منظور کی بلکہ رقم دیدی۔ لیکن ممدوح کے کلام کو طبع کرنے کی اولیت کا سہرا آپ کے سر رہا آپ بجا طور پر قابل مبارکباد ہیں کہ بلا امداد ذاتی صرفہ سے جناب کیفی کے کلام کو جس قدر بھی آپ سے مہیا ہوسکا شائع فرما دیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

چنانچہ اس بحث کو بھی پیچیدہ رہنے دیجئے کہ یہ صرف ضمنی باتیں ہیں

خدا جانے کلام کیفی کی بنیاد کونسی ساعت میں رکھی گئی تھی کہ وہ نیک اور مبارک ثابت ہوئی اور یہ کہ بعد تین چار سال کے اندر اندر اس سلسلہ میں دو کتابیں شائع ہوئیں۔ ایک حیات کیفی اور دوسری نطق کیفی جو آپ کے پیش نظر ہے۔ اس کے بعد یادگار کیفی اور رباعیات کیفی پیش کئے جائیں گے نیز میرزا کیفی کا فارسی کلام بھی زیر ترتیب ہے۔ غزلیات کا ایک مکمل دیوان بھی ٹائپ میں طبع ہوگا جس کے انتظامات عمل میں لائے جا رہے ہیں آپ ان سب کو کلام کیفی کی برکات تصور فرمالیں۔

پیش نظر کتاب مجموعہ ہے کیفی مرحوم کی اُن مشہور نظموں کا جو معاملہ بندی۔ واقعہ نگاری اور سلاست بیان کے اعتبار سے بے مثل ہیں اور جو کسی وجہ سے کلام کیفی میں درج نہ ہوسکی تھیں

طباعت کی غلطیوں کا ذکر ہی فضول اور دور از کار ہے کیونکہ لیتھو پریس اور یہ دونوں لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ شاذ و نادر کتاب ہوگی جو طباعت کی غلطیوں سے پاک ہو۔

جن علم دوست اصحاب نے اس مجموعہ کے لئے فراہمی مواد اور طبع و اشاعت میں مدد فرمائی ہے اُن کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

خاکسار

محمد سردار علی

باغ گھانسی۔ حیدرآباد دکن
جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ ہجری

۷۸۶

میلادِ نبی

کنت کنزاً مخفیاً کا راز جو افشا ہوا — سب سے پہلے نورِ ختم المرسلین پیدا ہوا

حضرت آدم کی پیشانی میں دکھلائی چمک — پھر جناب شیث کی آنکھوں کا وہ تارا ہوا

پھر جناب نوح کو بخشا نجی اللہ خطاب — حضرت ادریس کا بھی مرتبہ بالا ہوا

خلعت خلت دیا حضرت خلیل اللہ کو — عالم اسباب میں جو بت شکن پیدا ہوا

جان نثاری کا دیا منصب ذبیح اللہ کو — جس کی خاطر دنبۂ خلد بریں فدیہ ہوا

مستفید اس سے ہوئے اسحق بھی یعقوب بھی — حضرت یوسف کے روئے حسن کا غازہ ہوا

حضرت یونس نے پائی بطن ماہی سے نجات — خضر کو بھی آبیاری کا عطا عہدہ ہوا

صالح و ایوب یوشع الیسع یحییٰ شعیب — جس میں یہ چمکا خدا کا خاص وہ بندہ ہوا

کیا کہوں نیرنگیاں اس نورِ عالمتاب کی — حضرت موسیٰ سے پوچھے کوئی کیوں سکتہ ہوا

حضرت عیسیٰ کو دی اس نے حیات جاوداں — قم باذن اللہ ایک فقرہ سا تھا چلتا ہوا

تشنہ کامانِ ہدایت کی یہ پھر نکلی سبیل — نور کا دریا گیا فاراں تک بہتا ہوا

پھر بنی عدنان میں دریا سمٹ کر آ گیا — قطرہ سے دریا ہوا دریا سے وہ قطرہ ہوا

باعث رخشانیِ تاجِ سرِ اہلِ قریش — آبرو بخش جہاں وہ گوہر یکتا ہوا

پھر ہوا وہ اخترِ تابندۂ عبد مناف — پھر وہ عبد المطلب کی آنکھ کا تارا ہوا

پھر جبینِ پاک عبد اللہ میں پہنچا وہ نور — آمنہ کے بطن میں پھر وہ شرف افزا ہوا

نو مہینے تک رہا برجِ حمل میں آفتاب — پھر وہ اپنا جانِ عالم انجمن آرا ہوا

مرحبا صد مرحبا صلِ علیٰ صلِ علیٰ — مژدہ باد اے دل کہ محبوبِ خدا پیدا ہوا

مرحبا نورِ جنابِ مصطفےٰ پیدا ہوا

حبذا آئینۂ نورِ خدا پیدا ہوا

مامنِ بیچارگاں ملجائے دور افتادگاں — رحمۃ للعالمین خیر الوریٰ پیدا ہوا

بے سہاروں کا سہارا بیکسوں کا دردمند بیوسیلوں کا وسیلہ بر ملا پیدا ہوا
بے ٹھکانوں کا ٹھکانا بے پناہوں کی پناہ دردمندان بلاکش کی دوا پیدا ہوا
نیر برج نبوت شمع بزم مکرمت گوہر نایاب لعل بے بہا پیدا ہوا
جشن میلاد مبارک کی مچی دنیا میں دھوم آستان بر خانہ کعبہ جبیں فرسا ہوا
ہل گئے فارس میں کسریٰ کے محل کے کنگرے لات کا عزیٰ کا بیت اللہ سے منہ کالا ہوا

ہم سے کیوں کر ہو سکے کیفی بیان میلاد کا
مختصر یہ ہے خدا کا مدعا پورا ہوا

رسالہ تاج ستمبر ۱۹۱۶ء

مینہ کا برسنا اور بچوں کی خوشی

رم جھم، رم جھم آیا پانی اللہ کی رحمت کی نشانی
ہونے لگی جب بوندا باندی رعد نے اپنی دھاک بٹھا دی
برق نے کی وہ شعلہ فشانی ابر کا پتہ، پانی، پانی
ہونے لگا دل سب کا پریشان نکلی نہ اپنے منہ سے ہوں۔ ہاں
بجلی چمکی بادل، گرجا کس نے کہا تھا؟ تجھسے ڈر جا
ڈرنے کی کیا بات ہے اس میں ساون ہے، برسات ہے اس میں
اپنا اس میں ہرج نہیں ہے ایلو اب تو گرج نہیں ہے
بجلی کی وہ کڑک نہیں ہے کڑک تو کیا وہ چمک نہیں ہے
مینہ کی کیسی پیاری جھڑی ہے بوند نہ چھوٹی ہے نہ بڑی ہے
صحن میں کیا چھڑکاؤ ہوا ہے حوض کا منظر اس کے سوا ہے
سیاہی پھیلی ہوئی ہے ہر سو سوندی، سوندی مٹی کی بو
ہر اک بچہ کھیل رہا ہے کوئی کسی کو ٹھیل رہا ہے
کوئی کسی کا ہاتھ مروڑا کوئی بھاگا۔ کوئی دوڑا

اس کی کوشش اس کو پکڑے — بھیگ رہے ہیں سب کے کپڑے
ان کو اس کا کچھ بھی نہیں غم — وہ ہیں مینھ ہے اور ہے اودھم
چہلیں ہیں یہ دید کے قابل — خوش خوش ہیں کیا ننھے سے دل
چھینٹے لڑتے ہیں آپس میں — یہ ہیں اس موسم کی رسمیں
کھیل کا بھی ہے ایک طریقہ — اپنا اپنا ہے یہ سلیقہ
بوڑھا کوئی ہو کہ ہو بچا
اچھوں کا ہر کام ہے اچھا

تاج ستمبر ۱۹۱۶ء

جھولا

دیکھنا جھولا ہمارا بھی ہے کس انداز کا — ہمسری اس کی کرے کیا حوصلہ شہباز کا
اس کی ہر پرواز میں کیا آن ہے کیا بان ہے — ہم کو لے اڑتا ہے یہ، یہ بھی خدا کی شان ہے
جس کو جھولا جھولنا ہو اس کو کیا کیا چاہیے — سخت ٹہنا اور اک مضبوط رسا چاہیے
ہم سبق ہمجھولیاں ہوں تو ہی پینگوں کی بہار — ابر بھی ہو اور کچھ مینھ کی برستی ہو پھوار
چل رہی ہو ٹھنڈی ٹھنڈی ہلکی ہلکی سی ہوا — بھینی بھینی، سوندھی سوندھی بو سنگھاتی ہو صبا
اپنی اپنی باری باری سے ہر اک جھولا کرے — ہاں سبق اپنا نہ اس جھولے میں کچھ بھولا کرے
جتنی نظمیں آئی ہوں پڑھنے میں رکھے انکو یاد — گائے ایسے وقت میں تو لطف ہو حد سے زیاد
گائے بھی تو گائے اس لہجہ سے اس انداز سے — کوئی نا محرم نہ ہو آگاہ تک آواز سے
بر زباں ہوں یاد نظمیں تو ہے کچھ جھولے کی سیر — ورنہ جھولا جھولتے میں دیکھکر پڑھ لیں تو خیر
سب سے پہلے کون جھولے جس کو ہوں اشعار یاد — شعر بھی ہوں درس کے اور یاد بھی سب سے زیاد
بعد اس کے وہ جسے ہوں یاد اشعار اس سے کم — اس طرح نمبر اگر ہو تو لڑائی ہو نہ غم
جھولنے کا لطف آئے جھولنے میں ہو مزا — بھولے جو آموختہ اس کی یہی ہے اچھی سزا
ہو اگر خوش قسمتی سے سب کو یاد اپنا سبق — پھر تو وہ جھولے جسے ہو جھولنے کا پہلے حق

نظم نسیم کیفی

سب سے پیچھے رہ گئی لڑکی جو نظمیں بھول کر — یاد کر لے اپنے سب اشعار جھولا جھول کر

تاج سنہ ۱۹۱۶ء

صاف لڑکی

واہ یہ لڑکی ہے کتنی پاک صاف — صاف کپڑے صاف چہرہ، ناک صاف

میل دانتوں پہ نہ ناخن میں کہیں — اور کپڑوں پر کہیں دھبہ نہیں

صاف ستھرے دھوئے ہوئے ہاتھ پاؤں — چاہتا ہے دل کلیجے سے لگاؤں

آؤ بی بی آؤ جلدی پاس آؤ — اک مزے کا پیار ہم کو دے کے جاؤ

آتے ہی پہلے کیا اس نے سلام — پھر جو پوچھا تو بتایا اپنا نام

گود میں لیکر کیا پہلے تو پیار — پھر کہا بیٹی میں تم پر سے نثار

آپ کیا پڑھتی ہیں کیا کرتی ہیں کام — آپ کے والد کا ہے کس جا مقام

بھولی لڑکی نے دیا ہم کو جواب — دوسری اردو کی پڑھتی ہوں کتاب

فسٹ ریڈر، پہلی دینیات کی — اور کلام اللہ سارا پڑھ چکی

حفظ ہے کشف انجلا صد سب مجھے — یاد ہے ہر شعر کا مطلب مجھے

صاف ستھری ہے میری ہر ایک چیز — مجھکو اماں نے سکھائی یہ تمیز

صاف بستر صاف کمرہ صاف گھر — میں نے پوچھا بات اس کی کاٹ کر

ہاتھ منہ کب دھوتی ہو؟ اس نے کہا — فجر و ظہر عصر و مغرب اور عشا

پانچ وقتوں کی ہیں پڑھتی ہوں نماز — جوتی کو لگتا نہیں بول و براز

چوتھے دن نہا کر بدلتی ہوں لباس — جھاواں، صابن، کنگھی ہے سب میرے پاس

دانت میرے صاف بھی ہیں پاک بھی — میرے ہاں منجن بھی ہے مسواک بھی

آئی پڑھنے کو علی گڑھ سال حال — عمر کے گذرے ہیں میرے آٹھ سال

اس سے بھی کم تھا بہت جب میرا سن — صاف رکھی جاتی تھی میں رات دن

میرے والد ہیں غلام پنجتن — میرا گھر ہے حیدر آباد دکن

نظم کیفی

سن کے اس پاکیزہ لڑکی کے جواب
ہیں لیے دیں کیفی دعائیں بے حساب

تاج سنہ ۱۹۱۶ء

گندلی لڑکی

گندلی لڑکی پری ہو یا وہ حور — کرتے ہیں سب لوگ اس کو دور دور
منھ لگا کر بات تو کرتے نہیں — گندلی کو پیار کرتے ہیں کہیں
مانجھکر منجن سے دانت اپنے نہ دھوئے — ضد کرے ہر بات پر ہر لحظہ روئے
رینٹ اپنی آستین سے پوچھلے — بال سر کے آپ اپنے نوچلے
آج پہنے کل کرے میلا لباس — اس کو آنے دے کوئی کیوں اپنے پاس
ایسی لڑکی کی بھلا کیا آبرو — چیپڑ آنکھوں میں ہو جس کے منہ میں بو
کنگھی بالوں میں نہ سر میں تیل ہے — بدتمیزی رات دن کا کھیل ہے
دھوپ میں کھیلے نہ آئے چھاؤں میں — سر پہ ٹوپی ہے نہ جوتا پاؤں میں
اچھی خاصی اپنے پڑھنے کی کتاب — جا بجا کر دے لکیروں سے خراب
روشنائی کے ہیں دھبے جا بجا — کرتے کا ہے آگا پیچھا ایک سا
کھانا کھا کر پوچھلے دامن سے ہاتھ — کپڑے بھر جائیں کبھی سالن سے ہاتھ

ایسی لڑکی کو کرے گا کون پیار
پاس جس کے جائے اس کو آئے عار

تاج سنہ ۱۹۱۶ء

انجمن معین المسلمین

انجمن معین المسلمین حیدرآباد دکن کے پانچویں سالانہ اجلاس میں ذیل کی نظم حضرت کیفی نے پڑھی تھی

حمد کے قابل زبان دے یا الہ العالمین — اس زبان سے تو تری تعریف ہو سکتی نہیں

کس قدر اعلیٰ ہے تیری شان، اللہ غنی
حمد کے شایاں ہے تو ہی ہم کو آتا ہے یقیں

قادرِ مطلق ہے تو معبود ہے، موجود ہے
ہم ترے بندے ہیں، تیرا آسماں تیری زمیں

جملہ مخلوقات ہے دیباچہ تیری حمد کا
نور ہو یا نار یا جن و بشر، یا حورِ عین

اشرف المخلوق کا خلعت دیا انساں کو
رہبری کی بھیجکر پھر انبیا و مرسلیں

خاص کر کتنا بڑا احسان یہ ہم پر کیا
ہم گنہ گاروں پہ بھیجا رحمۃ للعالمین

مطلعِ صبحِ الست و مغربِ شامِ ابد
یہ نبی تھے اور آدم تھے درونِ ماء و طین

باعثِ فخرِ عرب، مکی، قریشی، ہاشمی
صاحبِ خلقِ عظیم و مخبرِ صادق امین

نیرِ برجِ نبوت، شمعِ بزمِ کائنات
فردِ کامل، ہادیِ برحق، شفیع المذنبین

کعبہ کے گھر کا اجالا دین کا چشم و چراغ
عرش کی آنکھوں کا تارا، مردمِ عین الیقیں

عین نورِ حضرتِ جل وعلا، صلِ علیٰ
شانِ عشق و آنِ معشوقاں و جانِ عاشقیں

تو نے کی ان کے ذریعہ سے ہماری رہبری
اور انھوں نے ہم کو دی تعلیم قرآنِ مبیں

سب ترے احسان ہیں بے واسطہ یا واسطہ
تحفۂ حمد و ثنا — للہ رب العالمین

ایک اسی قرآنِ اقدس کی بدولت حشر تک
سہل ہے ہم کو حصولِ دولتِ دنیا و دیں

جب تک اس پر ہم عمل پیرا رہے اچھے رہے
جب سے ہم نے اس کو چھوڑا ہم سے چھوٹے آن و ایں

ایک زمانہ تھا، کہ ہم میں تھا بہت کچھ اتفاق
اک زمانہ ہے کہ ہم ہیں مبتلائے حقد و کیں

چار دانگِ عالمِ ظاہر پہ قبضہ تھا کبھی
ڈھونڈھنے سے بھی ٹھکانا اب نہیں ملتا کہیں

تھا کبھی کوفہ کبھی بغداد اپنا پائے تخت
قرطبہ اور اندلس بھی تھا کبھی زیرِ نگیں

روم و شام و تبت و ایران تک اپنی دھاک تھی
مانتے تھے اپنا لوہا — اہلِ ہند و اہلِ چین

تھی ترقی پر ہماری قوتِ روحانیہ
تھے ہمارے ہی تصرف میں قلوبِ مومنیں

ہم میں تھے بوبکر و فاروق اور عثمان علی
سب صحابہ تابعین، اور سارے تبع تابعین

بوحنیفہ، اور مالک، ابن حنبل شافعی
رہبرِ دینِ الٰہی رہنمائے اہلِ دیں

بایزید، و شبلی و معروف کرخی و جنید
شمعِ بزمِ عارفیں و شمسِ برجِ سالکیں

تھے ہمیں میں حضرتِ محبوبِ سبحانی کبھی
غوثِ اعظم، عبد قادر، شاہ جیلاں محی دیں

پیشوائے خواجگان حضرت معین الدین حسن
تھے ہمیں میں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

مختصر یہ ہے کہ تھی دونوں جہاں کی سلطنت
ہر طرح حاصل تھی ہم کو دولتِ دنیا و دین

کیا سبب کیا وجہ کیا باعث کہ ہی یہ انقلاب
ایک یہ بھی ہیں ہمیں اور ایک وہ بھی تھے ہمیں

حالت موجودہ کا نقشہ میں کھینچوں کس طرح؟
کونسی ہے ابتری دنیا میں جو ہم میں نہیں؟

پست ہمت بے بضاعت سست کاہل بے ہنر
اور پھر زینت گر اعمال شیطان لعین

حرمت و حلت کی پروا ہے نہ حشر و نشر کی
ہے قسم کھانے کو باقی ہم میں قرآن مبین

جزو مذہب بلکہ مذہب بن گیا رسم و رواج
دھوم سے چھٹی دھڑلے سے ہے چہلم کہیں

نت نئی زرخرچیوں کا شوق ہے افلاس میں
اور پھر پڑھتے بھی ہیں ہم لا یحب المسرفین

پڑھتے ہیں قرآن کب؟ پڑھتے بھی ہیں تو گاہ گاہ
طوطے مینا کی طرح یہ نعبد و نستعین

وہ بھی مردوں کی زیارت میں بلحاظ شرم ہے
جب بھی نیت فی الحقیقت خیر پر ملتی نہیں

نیت اچھی ہو تو کیوں کر ہو کہ دل ناپاک ہے
جمع ہیں اس میں نفاق و کبر و کذب و حقد و کیں

کیوں نہ ہو دل میں ہمارے جمع یہ آلائشیں
جب ہمیں اکل حلال اس دور میں ملتا نہیں

اس کے یہ معنی نہیں مفقود ہے اکل حلال
یا ہے ملنے کا مقام اس کے سپہر ہفتمیں

اپنے ہاتھوں ہم حلال اشیاء کو کرتے ہیں حرام
ہائے ہم اپنی خوشی سے آپ بنتے ہیں حزیں

ایک تو افلاس کا ابر سیہ گھیرے ہوئے
دوسرے اسراف کی تاریکیاں چھائی ہوئیں

ہیں جو دولت مند ہے اسراف انکا یار غار
اور جو ہیں محتاط ہے افلاس ان کا ہم نشین

مفلس و مسرف سے بھی گر قطع کر لیں ہم نظر
تو بھی ہر محتاط کی آمد لسے کافی نہیں

رسم کی پابندیوں نے کر دیا ایسا تباہ
جس نے کی شادی رہا اک عمر تک اندوہگیں

رسم کے پابند ہیں، مذہب سے ہم آزاد ہیں
ڈر خدا کا کچھ نہیں ہوتا ہے خوف نکتہ چیں

ہے عموماً قرض پر دار و مدار زندگی
اور وہ بے سود کے اس وقت مل سکتا نہیں

سود کھا کھا کر پلے ہوں جنکے پہلو میں قلوب
ان سے نیک کس طرح ہوں کار ہائے بہتریں

سود کی نسبت وعیدیں آ چکیں قرآن میں
جانتے ہیں مانتے ہیں دیکھتے ہیں اہل دیں

اپنی بینائی ہے یا ماں پیٹ کے اندھے کا خواب
دیکھتے ہیں اور پھر کچھ سوجھتا ہم کو نہیں

ہائے اب تو ہوتے ہیں فتوے جواز سود پر — سود کی بیماریاں عالم میں ہیں پھیلی ہوئیں
عیب جب ہوتا ہے عالمگیر بنتا ہے ہنر — سچ کہا ہے غالب مرحوم نے صد آفریں
رنج کا خوگر ہو جب انسان تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں
سود کا طاعون ہے، طاعون سے بڑھ کر مہیب — چارہ گر اس کا کوئی ہم کو نظر آتا نہیں
ہاں مگر اک نسخہ نایاب ہات آیا ہے اب — جس کے اجزا بے بہا لعل اور ہیں در ثمیں
اس کے ملنے کا ٹھکانا۔ حیدرآباد دکن — اور اس کا نام نامی ہے معین المسلمین
ہے اثر اس کا بچانا۔ سود کی تکلیف سے — قرضۂ بے سود نے" اسلام کا ہونا معین
آج اس کا پانچواں سالانہ جلسہ ہے یہاں — دوسرے لفظوں میں کہیے ہے گرہ یہ پانچویں
اس کی خواہش جس کو ہو دیکھے وہ دستور العمل — ہات سے جانے نہ دے اسلام کی حبل المتین
قرضۂ بے سود بھی اک قسم کا احسان ہے — رائگاں جاتا نہیں۔ زنہار اجر محسنین،
جن حکیموں نے دیا ترکیب یہ نسخہ یہاں — کل وہاں ان کو ملے یارب بہشت ہفتمیں
بالخصوص ان میں حکیم روح" مولانا عمر[1] — آستاں پر ان کے ہوتا عمر کیفی کی جبیں

صحت روحی و جسمی سب مسلمانوں کو دے
یا الہ العالمین! آمین الہ العالمین

رسالہ صحیفہ جلد (۲) نمبر (۹)

رباعی

وہ دل وہ دماغ وطبیعت نہ رہی — جینے کی تو ہم میں قابلیت نہ رہی
اک عمر سے آرزوئے مرگ کرتے کرتے — مرنے کی تمنا میں بھی لذت نہ رہی

دیگر

اغماض حسینوں کا برا ہوتا ہے — اور کبر ذہینوں کا برا ہوتا ہے
اللہ بچائے ہمیں ان سے کیفی — احسان کمینوں کا برا ہوتا ہے

---

[1] مولانا حضرت سید عمر علی شاہ صاحب قبلہ

نظم کیفی

تعلیم نما

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے جلسہ سالانہ منعقدہ حیدرآباد ۱۳۲۴ف میں یہ نظم پڑھی گئی۔

لمن اسمی اسما حمد علی ما علم الاسما
کہ آدم را شرف بخشید از تشریف کرمنا

وتسلیم علی من قال للناس اطلبوا العلما
کہ امی بود و در علم و عرفاں ریخت بر دنیا

پس از حمد خدائے پاک و نعت احمد مرسل
مسلمانو! بزرگو!! بھائیو!!! سنا میری سننا

یہ میں کہتا نہیں تعلیم میں ہیں خوبیاں یہ یہ
میں یہ کہتا نہیں ہے بہتری تعلیم سے کیا کیا

میں یہ کہتا نہیں ہو لکھنے پڑھنے کی ضرورت کیوں
نہ یہ کہتا کہ ہے انداز تعلیم دکن کیسا

نہ میں قرآن سے ثابت کروں گا علم کی خوبی
نہ میں دوں گا حوالہ بخاری اور مسلم کا

نہ لاؤں گا دلیل ایسی ہیں اقوال ائمہ سے
نہ تاریخوں سے یہ ظاہر کروں گا علم ہے ایسا

نہ میں بغداد یونیورسٹی کا تذکرہ کرتا
نہ میں قصہ سناتا ہوں نظام الملک طوسی کا

نہ یہ کہتا گزشتہ دور میں تعلیم کیسی تھی
نہ یہ کہتا کہ چرچا علم کا اگلوں میں کیسا تھا

کہ پہلے تو نہیں ہے خود مجھی کو اتنی آگاہی
اگر ہو بھی تو ان باتوں سے اب اس وقت مطلب کیا

براہین و دلائل اور امثال و نظائر سے
کروں ثابت کہ ہے تعلیم ایسی علم ہے ایسا

یہ باتیں سنتے سنتے بھر گئے کان ایک زمانے کے
ہزاروں ایسے لکچر ایسی اسپیچیں سنیں صدہا

اثر ان ایسی تقریروں میں ڈھونڈو تو نہ پاؤ گے
بجز در واہ و دریغا۔ ہائے حیف افسوس واویلا

مزاحمت تا کجے تا چند اپنی آبروریزی
کہ سب کچھ سن کے سمجھے ہم سے کچھ بھی ہو نہیں سکتا

سنو! میری سنو! تو یہ گنا ہوں کی خدا شاہد
کہ ہو سکتا ہے جو تم سے کسی سے ہو نہیں سکتا

تمیز اچھے برے کی ہے غذا کھاتے ہو انساں ہو
سمجھتے ہو یہ ہے کڑوا یہ ہے کھٹا یہ ہے میٹھا

کہو تو ایسا کچھ ہو! واللہ تم کیا کر نہیں سکتے
تمہارے دم قدم سے ہی تو یہ آباد ہے دنیا

تم اب دنیا میں رہنا چاہتے ہو کس طریقے سے
تمہیں کیا اپنی عزت آبرو کی کچھ نہیں پروا

تمہیں معلوم ہے دیتا ہے عزت کون انساں کو
غذا! کپڑا! حویلی! ہاتھی گھوڑا روپیہ پیسا

نہیں ہرگز نہیں انساں کی اس سے نہیں عزت
کہ ہے انساں کی عزت کا باعث شانِ استغنا

اگر تم اپنی عزت چاہو! مستغنی بنو پہلے
مگر تحصیل استغنا کا سمجھو ہے ذریعہ کیا

کمال انساں کو عالم سے کر دیتا ہے مستغنی
خدا کے واسطے اے بھائیو! سیکھو کمال اپنا

خدا نے سیکھنے کی قابلیت دی ہر انساں کو
ڈھلا ہے نور کے سانچے میں واللہ خاک کا پتلا

نہ ضائع ہونے دو للہ اپنی قابلیت کو
کہ جا کر پھر نہیں آتی حیاتِ مستعار اصلا

اگر بیکار تم نے عمر اتنی رائیگاں کر دی
برا کیا ہے بھلا چاہو جواب بھی اپنے بچوں کا

اگر تم پڑھ نہیں سکتے۔ پڑھاؤ اپنے بچوں کو
کہ وہ پڑھ گن کے نکلیں تو تمھارا نام ہی ہوگا

یہ سب کچھ سچ ہے کیفی کوئی تم سے یہ اگر پوچھے
کہ بچوں کو کہاں کس طرح سے کیونکر پڑھائیں کیا

جواب ایسے سوالوں کا نہیں ہے بحث سے خالی
اسی کے واسطے قائم ہوئی یہ انجمن اس جا

کہ اہل الرائے و اہل علم و فضل و دانش و بینش
اکٹھے ہو کے سوچیں ہم کو کرنا چاہیئے کیا کیا

اسی دھن میں کئی دن سے لگے تھے ہمدردانِ تعلیمی
کہ اپنے ملک میں بھی ہو کمال علم کا چرچا

خدا کا شکر ہے تجویز یہ اب راس آئی ہے
اسی کا آج یہ جلسہ ہوا ہے منعقد پہلا

غرض اس سے یہ ہے ہم کام کچھ کرنے لگیں ایسے
کہ جس سے ہو ترقی حالت موجودہ میں پیدا

ہماری حالت موجودہ بے علمی سے جیسی ہے
وہ ظاہر ہے کہ ابنائے وطن بے حس ہیں سر تا پا

کمال علم و فن کی قدر ہی کرتا نہیں کوئی
تو پھر کیونکر نہ ہو جائے کمال علم و فن عنقا

جہاں بے علم کو ترجیح دیں ہم کسب عالم پر
وہاں مفقود اہل علم اگر ہوں تو اچنبا کیا

اگر تحصیل علمی سے غرض تحصیلداری ہو
تو سمجھو ایسے عالم کو ہوا تعلیم میں دھوکا

غرض تعلیم سے یہ ہے کہ اطمینان خاطر ہو
بھروسہ آپ اپنی ذات پر انساں کرے پیدا

وہی تعلیم ہے تعلیم انساں جس سے انساں ہو
وگرنہ پیٹ بھرنے کے لئے جیتا ہے اک کتا

بس اب کیفی بہت کچھ کہہ چکے آؤ ادھر آؤ
متی ما تلق من تھوی دع الدنیا واھملھا

(روئداد ایجوکیشنل کانفرنس)

جامِ حیدری

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ حیدرآباد ۱۳۴۱ف کے آخری اجلاس کے خاتمہ پر حضرت کیفی نے یہ خجستہ نظم پڑھی تھی

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا
پلا دے جام صہبائے کرامت زیر اے ساقی
سرور قلب دانش اور نور چشم بینش ہو
مدامی نشہ جس کا ہمت مردانہ افزا ہو
اگر ایسی پلا کر آج تو رخصت کرے سب کو
شراب علم کے متوالے رندو جاؤ پی پی کر
خدا ناکردہ گر کچھ نشہ میں اپنے کمی پاؤ
یہ فیض ساقی کوثر ہے بھٹی پر نہیں موقوف
شب مہتاب و روز ابر کی بھی کچھ نہیں حاجت
کہیں ایسا نہ ہو تم پھینک دو اس مے کو رستہ میں
رہے تا دور ثانی آج کا جلسہ لگا ہو دل میں
لگا دو اس کا چسکا اپنا ہم مشرب بنا لو تم
بہت سی اور بھی باتیں بھی ہیں تم سے کہنے کی
ملو گے پھر تو سنا یار زندہ صحبتیں باقی
کبھی اپنے کو ہم اور دوسرے کو تو نہ بولو تم
کہو اب ہر حریف بزم کو کیفی خدا حافظ

کہ علمی مشورے کی انجمن کا ختم ہے جلسہ
جھلک سکی نہ ہر ستاں اقطرہ جس کا ہو دریا
نکھادے رنگ و روغن طلعت حسن تخیل کا
ادائے لغزش پا میں ہو استقلال کا نقشا
تو ساقی عمر بھر دل میں رہیگا تخلیہ تیرا
اگر چاہو تو لیتے جاؤ جام و ساغر و مینا
تو فوراً جتنی چاہو ڈگڈگا کر اتنی پی جانا
جہاں جی چاہے جب جی چاہے رکھنا مشغلہ اسکا
یہ جام حیدری پیکر لگا نا حیدری نعرا
کہیں ایسا نہ ہو تم بھول بیٹھو آج کا جلسا
جو تجویزیں ہوئی ہیں یاد رکھنا پاس کچھ انکا
جہاں ملجائے کوئی بھی ہو ہندو کیا مسلماں کیا
مگر ہے وقت کی تنگی سے دل میں ولولہ دلکا
مگر اک بات دو حرفوں کی سنکر یاد رکھیگا
تو بگڑے کام بن جائیں اگر اللہ نے چاہا
متی ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

(روئداد ایجوکیشنل کانفرنس)

رایت علم

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے سالانہ جلسہ منعقدہ اورنگ آباد ۱۳۲۹ف میں یہ نظم پڑھی گئی تھی۔

ہم نے کیا ہے رایت علم و ہنر بلند
آجائے اس کے سایہ میں ہر پست و ہر بلند
ہم کون ہیں؟ ترقی تعلیم ملک خواہ
آواز جنکی پست ہے جنکی نظر بلند
پستی بھی کام کی ہے بلندی بھی کام کی
کب! جبکہ پست وقت پہ ہوں وقت پر بلند

پست و بلند دہر پہ شاہد ہے آفتاب
ہے وقت شام پست تو وقت سحر بلند

حرکت کے اعتبار سے دونوں میں ایک سا
ہو زیر پہ پست حرف سے یا ہو زبر بلند

ہر فرد قوم، قوم ہے، کیا خرد کیا بزرگ
اب اس میں پست قد ہو کوئی یا ہو سر بلند

لفظوں سے خط، خطوط سے بنتے ہیں حرف اگر
حرفوں سے لفظ، لفظ سے معنی ہے گر بلند

پھر تو ہے صاف بات کہ دیکھیں ہم اپنا حال
کتنے ہیں پست، چاہیئے ہوں کس قدر بلند

ہم میں سے کوئی نقطہ کوئی خط، کوئی ہے حرف
سب پست ہیں اگرچہ ہیں یا لائق دگر بلند

فی الجملہ ہم سلیقے سے جڑ جائیں یک دگر
تو پست بنت اکی بھی نکلے خبر بلند

ہم پست کس قدر ہیں ہمیں کچھ خبر نہیں
پستی سے کس طرح ہو، کوئی لے خبر بلند

اسکی جنہیں خبر ہے، وہی دردمند قوم
کرنیکو ہیں صدائے مصیبت اثر بلند

تم نے سنی ہے ایک افیمی کی داستان
جس سرنگوں کے قصر کا تھا بام و در بلند

پینک میں ایک روز گرا اپنے بام سے
آواز ایک دھم سی ہوئی مختصر بلند

نوکر سے اپنے اس لئے کہا۔ دیکھ! کیا گرا
کیا بات ہے! ہوا ہے یہ کیوں شور و شر بلند

نوکر نے عرض کی کہ میاں! آپ ہی گرے
فرماتے ہیں یہ سن کے وہ آقائے سر بلند

جب ہم گرے تو ہائے بڑی سخت چوٹ آئی
شور و بکا و گریہ ہوا بیشتر بلند

کیفی کا حال بھی اس افیمی سے کم نہیں
چیخ اسکی بر محل نہیں ہے مگر بلند

بیدرد گوش ناشنوا کہتے ہیں خموش
منشائے درد دل ہے کہ فریاد کر بلند

بیٹھا ہوا گلا ہے تو فریاد کیا کریں
کیونکر ہو کوئی طائر بے بال و پر بلند

فریاد میری کون سنے بے ٹھکانہ ہوں
گویا میں ایک طوطئ نقار خانہ ہوں

ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں اس انجمن کے لوگ
بیدار ہو رہے ہیں ہمارے وطن کے لوگ

سامان کر رہے ہیں وہ پیدا کچھ اس طرح
پیدا ہوں جس سے ملک میں ہر ایک فن کے لوگ

یہ خاص کوششیں ہیں کہ تعلیم عام ہو
سانچے میں علم و فن کے ڈھلیں سب دکن کے لوگ

سرسبز ابر علم سے ہو کشور نظام ...... خلد اللہ ملکہ
لوٹیں بہار فضل و کمال اس چمن کے لوگ

وہ وقت جلد آئے خدا وہ بھی دن دکھائے
جس دن کی آرزو میں ہیں انجمن کے لوگ

لوگو! سنو! سنو تو ذرا کان کھول کر
کس آرزو میں آئے ہیں کیسے چلن کے لوگ

معلوم ہے تمہیں روش اہل انجمن
ثابت ہوئے یہ ملک میں کیسے جتن کے لوگ

کرتے ہیں جمع روپیہ تعلیم کے لئے
دیکھو نہیں کہ ہیں یہی۔ ایجوکیشن کے لوگ

دھن انکی ہے کہ ملک میں پھیلے مذاق علم
مصرف کو یہ کہیں۔ مال کے لوٹنے کی دھن کے لوگ

کھانے سے تن کو سکھ ہے تو پڑھنے سے جان کو
پس چاہیئے کہ دوست بنیں جان و تن کے لوگ

تن پروری میں جان سے انجان ہو نہ جائیں
دھوکے میں آ نہ جائیں کہیں۔ اہرمن کے لوگ

شیطان پھیرتا ہے مگر راہ علم سے
لاتے ہیں وہ پہ بارگہ ذوالمنن کے لوگ

باتیں سایہ کام کی ہیں۔ نری شاعری نہیں
نا قدر جس سے بن گئے اہل سخن کے لوگ

عزت کرو تم ان کی دکھائیں جو راہ راست
ہوتے نہیں ہیں دوست کسی راہزن کے لوگ

تم قدرداں و رتبہ شناس کمال ہو
مشہور اس صفت میں ہیں ملک دکن کے لوگ

ناندیڑ بیڑ پربھنی والے نہیں تو ہیں
یہ جالنہ کے لوگ ہیں۔ یہ ہیں پٹن کے لوگ

کوشش کرو کہ نام کے مانند کام ہو
وہ کام ہو کہ جس سے زمانہ میں نام ہو

باتوں سے آدمی نہیں ہوتا ہے نامور
اے دل خیال ناموری ہے تو کام کر

دل ہم سے پوچھتا ہے کہ پہلے بتائیے
کیسے ہیں کام۔ کون سے ہیں۔ اور کس قدر

فہرست دیکھتے ہیں جو دنیا کے کام کی
کافی نہیں ہے اس کے لئے عمر مختصر

عقبیٰ کے کام کی بھی کوئی انتہا نہیں
پس ایک کام بھی تو نہ پورا ہو عمر بھر

فکر معاد بھی ہے۔ کشمکش معاش بھی
اس کشمکش میں عمر کے ہوتے ہیں دن بسر

ہم کہتے ہیں سچا ہے۔ یہ سچ ہے درست ہے
بیشک بہت سے کام ہیں دارین کے مگر

جتنے ہیں کام فرع ہیں۔ اصل انکی ایک ہے
وہ اصل کیا ہے "علم" ہے اے صاحب نظر

بنتے ہیں کام علم سے دونوں جہاں کے
صنعت ہے جس کی شاخ لقب جس کا ہے "ہنر"

لو آؤ! اہل علم کی مجلس میں جلد آؤ
ہونے نہ دو خیال کو اپنے ادھر ادھر

ان کا بٹاؤ ہاتھ، کرو ان کی کچھ مدد
اب آچکا ہے وقت اٹھو باندھ لو کمر

اے بھائیو! یہ کام تمہارا ہی کام ہے
کیا تم خدانخواستہ اتنے ہو بے خبر

میں جانتا ہوں مجھ سے سوا جانتے ہیں آپ
تعلیم اپنے ملک میں ہے پست کس قدر

دہرائے بار بار اسی ایک بات کو
کرتا ہوں جمع اپنے خیالات منتشر

مطلب ہے اس سے کچھ تو سمجھ لیجئے آپ
اللہ میری ہرزہ سرائی میں دے اثر

یوں تو ہزار نیک کام کئے ہوتے ہیں ضرور
نیکی، بدی نہیں کوئی اسکے سوا منحصر

لیکن ہماری بات یہ اخلاص سے ہے دور
نیت بخیر ہو تو کوئی شر نہیں ہے شر

نیت بخیر اور طبیعت اگر ہو سست
سستی سے کوئی کام ہوا ہے نہ ہو درست

سستی سے آج جہاں میں ضرب المثل ہیں ہم
مشہور اہل علم نہ اہل عمل ہیں ہم

وحشت میں جان ہے نہ تجارت میں شان ہے
پھر باغ باغ اپنی جگہ بے محل ہیں ہم

خوش خوش اسی میں ہیں کہ کچھ آتا نہیں ہمیں
سر میں سمائی ہے سر اہل دول ہیں ہم

اسلاف سیوف کو دھن کہ ہم اورنگ زیب ہیں
ہندو سمجھ رہے ہیں کہ اب آجکل ہیں ہم

دعوی یہ ہیں ادھر کہ ابوالفضل سے ہیں ہم
ان کو ادھر ہے زعم غلط بے بدل ہیں ہم

ان جھوٹی شیخیوں میں گرفتار و خوار ہیں
اپنے دماغ کے لئے وجہ خلل ہیں ہم

دیکھیں تو منہ کو اپنے گریباں میں ڈال کر
گویا کہ اپنے دشمن زیر بغل ہیں ہم

کب تک رہے جبیں پہ یہ ٹیکا کلنک کا
دنیا میں کیا برائے شکار اجل ہیں ہم

زندہ دلی کا کچھ تو نمونہ دکھاؤ تم
ثابت کرو کہ صاحب علم و عمل ہیں ہم

سعی خلوص دل سے یہ معلوم ہو کہ آج
اسلاف نامدار کے نعم البدل ہیں ہم

علم و عمل کا وزن برابر رہے تو پھر
دیوان کائنات میں بیت الغزل ہیں ہم

جو کچھ ہیں وہ ہمیں ہیں ہمارے سوا ہے کون
انسان ہیں خلیفۂ عز و جل ہیں ہم

دیکھو ہمیں کہ شعلۂ شمع شعور ہیں
رخشانی ستارۂ صبح ازل ہیں ہم

وہ کونسا ہے کام جسے ہم نہ کر سکیں
مسند نشین بارگہ عقد و حل ہیں ہم

سب کچھ ہمیں ہیں اور ہمیں ہیچ پوچ ہیں
طبل تہی ہیں ہم کہ صدائے دہل ہیں ہم

کیفی ہمیں اب اس سے زیادہ نہ ننگ کر
سرگرم کار اہل وطن آج کل ہیں ہم

ہر چند میرے شعر سے دل تو ہوا نہ سیر
لیکن ہیں کام اور کہیں ہو نہ جائے دیر (روداد ایجوکیشنل کانفرنس)

ایجوکیشنل کانفرنس

کے اجلاس ۱۳۲۷ف منعقدہ ٹاؤن ہال باغ عامہ حیدرآباد دکن میں یہ نظم پڑھی گئی۔

کس طرح ہائے اس دل بے حس میں درد ہو
گرمی سے گرم ہو جو نہ سردی سے سرد ہو

دنیا میں انقلاب ہے ہم ہیں وہی جو تھے
ایسی گروہ کیوں نہ زمانہ میں فرد ہو

گرنے سے چوٹ آئے کسی کو ہمیں ہنسی
سمجھینگے سرخرو جو سیہ روئے زرد ہو

ہر ایک اپنے شہر میں پھرتا ہے اس طرح
جیسے کوئی غریب بیاباں نورد ہو

اعدا کا امتیاز نہ احباب کی تمیز
خر زہرہ ہو چمن میں کہ نسرین و ورد ہو

یہ بحسی کہ کان پہ جوں رینگتی نہیں
طوفان نوح بھی ہو تو سب گرد و برد ہو

شطرنج کا وزیر چلے چال ادھر ادھر
مر مر کے جی اٹھے وہ جو چوسر کی نرد ہو

کیا تم جماد سے بھی ہو بدتر ہزار حیف
ظاہر میں دیکھنے کو تو انساں ہو مرد ہو

کچھ تو خدا کے واسطے اپنا دکھاؤ زور
دل کو پکڑ کے اتنا جھنجوڑو کہ درد ہو

جب دل میں درد اور جگر میں خراش ہو
پھر تو دوا دوش ہو، دوا کی تلاش ہو

دوسرا بند

آواز ہم نے چیخ کے ناحق بلند کی
چبھتی ہے دل میں چپ بھی دل دردمند کی

اظہار درد دل کے لئے چھیڑ ہے ضرور
موقوف آگ پر ہے صدا بھی سپند کی

سن لیجئے یہ ایک دکھی کی پکار ہے ۔ صورت تو زہر کی ہے حلاوت ہے قند کی
آہ دل شکستہ کہاں گوش دل کہاں ۔ تقدیر آزماتے ہیں ٹوٹی کمند کی
سن لی جو بات آپ نے احسان آپ کا ۔ سنکر کیا عمل بھی تو منت دو چند کی
بڑھ بڑھ کے جہل آج گلا گھونٹتا تو ہے ۔ لیجئے خبر خدا کے لئے بھائی بند کی
انکو نہیں ہے مشرق و مغرب کی کچھ خبر ۔ پوچھو جو ان سے رستے کی تو بولیں خجند کی
سوچو تو جہل و علم میں اب فرق کیا رہا ۔ غفلت انھوں نے آپ نے سستی پسند کی
جو جاہلوں کا حال ہے وہ عالموں کا حال ۔ تاثیر وعظ میں ہے نہ کچھ قدر پند کی

بے سود شاعری کی طرح وعظ و پند ہے
دیکھو جسے وہ اپنی جگہ خود پسند ہے

تیسرا بند

جتنے لکھے پڑھے ہیں عجب ان کا حال ہے ۔ بقراط کوئی کوئی فلاطوں خیال ہے
ہر ایک اپنے زعم میں لیڈر ہے قوم کا ۔ ہر ایک اپنی رائے میں اہل کمال ہے
اصلاح ملک و قوم کی خاطر بنے ہوئے ۔ اصلاح اپنے نفس کی ان کو محال ہے
کچھ ان میں اعتراض ہے کچھ ان سے اختلاف ۔ کچھ مجلسیں کہیں ہیں کہیں کچھ قیل و قال ہے
پرزور اختلاف و پرجوش اعتراض ۔ دیکھو جو غور سے تو کڑاہی کا ابال ہے
بس یہ رفاہ عام اور یہی ہے رفاہ عام ۔ اخلاص ہے حرام رعونت حلال ہے
علم و عمل عبث ہیں نہ ہو دل میں جب خلوص ۔ لذت نہ ہو تو پیڑ بھی پھل بھی وبال ہے
اخلاص پر جو کام ہے مبنی وہ ہے یہ کام ۔ جس کا نمونہ کانفرنس آجکے سال ہے
تعریف اسکی اس سے زیادہ میں کیا کروں ۔ سعی خلوص دل کی یہ ادنیٰ مثال ہے

تحریک اختلاف نہیں التماس ہے
تجویز اعتراض نہیں ہے سپاس ہے

چوتھا بند

ہم شاد کیسے ہیں شاہ ہمارا ہے قدرداں — شاہد زمیں اس پہ گواہ اس پہ آسماں
سرکار نے ہے پاس گزاری ہمارا عرض — گو لائق سپاس ہماری نہیں زباں
شاہانہ بذل و جود و کرم کی ہے انتہا — کیا کیا نوازشیں ہیں گنائے کوئی کہاں
کیفی یہ شاعرانہ نہیں ہے سخن گستری — ایمان کی ہے بات خدا جانتا ہے حال
یہ یونیورسٹی ہی کو لیجیے کہ حال ہے — بہر اہل ملک کے لئے قائم ہوئی یہاں
یہ ابتدا [illegible] — ہوگی اسی طرح ہے کم و بیش بے گماں
ابتک ہلال عید ہے یہ یونیورسٹی — بدر تمام ہوگی بتدریج مہرباں
سایہ میں تاج حشمت عثمانیہ کے ہے — پلتا ہے جس کے دامن دولت میں اک جہاں
تحریک ہم بھی کرتے ہیں اس بارگاہ میں — تسکین درد دل کے لئے ہے یہ امتحاں

زیبا دکن پہ فخر ہے ہندوستان کو
اس سلطنت سے فیض ہے سارے جہاں کو

پانچواں بند

شہ کو دریغ کب ہے رعیت کے واسطے — ساماں ہیں ہر طرح کے رعایت کے واسطے
دل سے دعا نکلتی ہے ہر دم زباں کی طرح — عثمان بادشاہ سلامت کے واسطے
اے فخر خاندان سلاطین آصفی — کافی یہ شعر ہے ہمیں حجت کے واسطے
آصف کو جان و دل سے اپنے نہیں دریغ — گر کام آئے خلق کی راحت کے واسطے
راحت رسان خلق کوئی ہے ہوا نہ ہو — یہ وصف خاص خاص ہے حضرت کے واسطے
ہیں شاہ کی طرف سے تو ایسی عنایتیں — کہیئے ضرور کیا ہے رعیت کے واسطے
لازم ہے اک زباں ہو یک دل ہو یکجہت — آمادہ جان و دل سے ہو خدمت کے واسطے
مرکوز شاہ یہ ہے کہ تعلیم عام ہو — اسباب منتظم ہوں معیشت کے واسطے

اس انجمن کا مقصد اعلیٰ بھی ہے یہی — تیار ہو اطاعت و طاعت کے واسطے

مکر و فریب و تور حاشا نہیں ہے یہہ

اے حاضرین کھیل تماشا نہیں ہے یہہ

چھٹا بند

کس حال میں ہماری ہے اولاد دیکھئے — تعلیم یا فنوں کی بھی تعداد دیکھئے

ہم کس ہوا میں جیتے ہیں اسکو بھی دیکھئے — کس طرح عمر ہوتی ہے برباد دیکھئے

سنجیدگی سے دل میں ذرا غور کیجئے — کیسی پڑی ہے ہم پہ یہ افتاد دیکھئے

دشمن ہے اپنا کون ذرا اسکو ڈھونڈئیے — کرتا ہے ہم پہ کون یہ بیداد دیکھئے

دشمن ہم اپنے آپ ہیں انصاف کی ہے بات — کیوں سوئے آسمان کہن داد دیکھئے

ہم کو پڑھانے والے نے سب کچھہ پڑھا دیا — کتنا ہے آج اپنا سبق یاد دیکھئے

شیرازہ کتاب اخوت بکھر گیا — شوق اپنا اور محنت استاد دیکھئے

اشراف ہیں تو کیجئے اسلاف پر نظر — اولاد ہیں تو جانب اجداد دیکھئے

کہنے کی کیا ہے یہہ تو سمجھنے کی بات ہے — کیا رنگ لاتی ہے میری فریاد دیکھئے

دیکھے ہیں ایسے آپ نے جلسے تو بار ہا

کچھ سنے ہیں سینکڑوں نظمیں ہزار ہا

ساتواں بند

کچھہ نظم و نثر کی ہوئی تاثیر یا نہیں — کچھ آپ نے بھی سوچی ہے تدبیر یا نہیں

یہ چیخ یہ پکار بھی کچھہ کام آے گی — جاگے گی اہل ملک کی تقدیر یا نہیں

آہیں لگائیں یا نہ لگائیں جہاں میں آگ — نالے ہلائیں عرش کی زنجیر یا نہیں

بنیاد جسکی کھودتے ہیں تین سال سے — کار آمد اپنے ہوگی وہ تعمیر یا نہیں

اتنے دنوں سے دیکھ رہے ہیں جو آپ ہم — اس خواب کی بھی ہے کوئی تعبیر ہے یا نہیں

اعجاز عیسوی ہے اگر آپ کام لیں — بولے گی اپنے منہ سے یہ تصویر یا نہیں
جب آپکی بھی رائے میں یہ کار خیر ہے — جائز ہے کار خیر میں تاخیر یا نہیں
مانگیں کسی سے اب کہ نہ مانگیں مراد دل — ہم مستحق ہیں اے فلک پیر یا نہیں
کب تک رہینگے قعر مذلت میں سرنگوں — اٹھیں گے اپنے بل پہ زمیں گیر یا نہیں

آتی ہے بوئے یاس توائے کلام سے
ہر حال میں ہے کام ہمیں اپنے کام سے

آٹھواں بند

جبتک ہے دم میں دم کبھی ہمت نہ ہارنا — ٹوٹے جو کوہ غم تو خوشی سے سہارنا
جب رکھ چکے ہیں پاؤں گزرگاہ سیل میں — جس طور جس طریق سے گزرے گزارنا
کوشش میں اپنی دم کہیں لینا نہ ٹھہر کر — مرضی کے ہو خلاف تو کچھ بھی دم نہ مارنا
کوشش میں کامیاب اگر ہوں نصیب سے — اپنی جتا کے شان نہ شیخی بگھارنا
لازم ہے جبن اور تہور سے احتراز — بس حد اعتدال پہ بگڑی سنوارنا
اسراف اور بخل سے بچنا سنبھالنا — جود و سخا کی حد پہ ابھرنا ابھارنا
ہے مفلسان علم کو پیسے کی احتیاج — دامن ہر ایک بھائی کے آگے پسارنا
جوں یوں نہ دے تو اور کسی رنگ ڈھنگ سے — شیشے میں جس طرح سے ہو اترے اتارنا
اے ممبران انجمن اے بانیان خیر — ہم پھر یہی کہینگے کہ ہمت نہ ہارنا

کیفی زمن ہمی سخنے ہست گوش کن
تا ساغرت پراست بنوشان و نوش کن (روداد ایجوکیشنل کانفرنس)

جاپان تلمیذ یورپ

دھوم عالم میں زمانہ میں ہے شہرت میری — اللہ اللہ رے میں؛ واہ رے قسمت میری

جس نے دیکھی نہیں ابتک کبھی صورت میری
اسکے دل میں بھی سمائی ہے محبت میری

ذکر ہوتا ہے میرا انجمنوں میں کیا کیا
بچہ بچہ کی زباں پہ ہے حکایت میری

ایشیائی ہوں میں اور ان میں بھی اک ممولی
خود میں کہتا ہوں یہ ہے اصل حقیقت میری

یاد پڑتا ہے کہ گزرے ہیں برس ڈھائی ہزار
غالباً ہے یہی تاریخ [illegible] میری

جنکو معلوم نہیں انکو بتاتا ہوں پتہ
اک ادنیٰ سے [illegible] ہے قامت میری

میرے اطراف و جوانب میں ہے بحر اکاہل
چینی تاتار کے مشرق [illegible] میری

فارموسا سے چلے جائیے تا کیپ [illegible]
آپ ہو جائینگی ظاہر جو ہے وسعت میری

رنگ بدلے ہیں زمانہ کی طرح میں نے بھی
لیکن اس سے نہیں بدلی کبھی ہیئت میری

غیر قوموں نے نہ کی مجھ پہ حکومت ہرگز
کی میری قوم نے اول سے حمایت میری

ابتدا سے ہوں میں بس ایک گھرانہ کا مطیع
آج اس فخر سے دنیا میں ہے عزت میری

خانہ جنگی کے تماشہ بھی بہت سے دیکھے
شوگنوں کو بھی رہا کی ہے خصومت میری

اک ہزار آٹھ سو اڑسٹھ میں میری رُت بدلی
کہ عداوت پہ بھی غالب ہوئی الفت میری

باہمی کینہ دیرینہ سے دل پاک ہوئے
دل میں ہر ایک کے پیدا ہوئی چاہت میری

جان سے مجھ پہ فدا ہونے کو تیار ہوئے
جب ہوئی قوم میں قائم عصبیت میری

غیر اقوام نے آ آ کے تجارت کے لئے
صدیوں بعد کہیں اس کی ہے زیارت میری

عہد و اقرار جو ہونے تھے وہ آپس میں ہوئے
بعد اسکے تو بڑھی اور بھی ہمت میری

لارڈ ایلگن سے بھی پھر میں نے کئے قول و قرار
روز افزوں ہوئی اس سے بھی ثروت میری

غیر اقوام کے تجار میں جب زور بندھا
جوش میں خود بخود آنے لگی غیرت میری

سب کو بیدخل کیا پھر کبھی جمنے نہ دیا
کام آج آئی یہ اس روز کی حکمت میری

قوم جب قوم بنے قوم کے سب کام ہیں سہل
نہ ضرورت ہے کسی کی نہ ضرورت میری

قوم کو قوم بنانے کے لئے ہے تعلیم
بھول جاؤ نہ خدارا یہ نصیحت میری

قوم کو قوم کی تعریف نہ ہوگی معلوم
کھینچ تصویر تو اسے دیدۂ عبرت میری

میرے اجزا تو ہیں گنتی کے فقط چار [illegible]
بادشاہ ہیں یہ میرے یہ ہے رعیت میری

آج سے ساٹھ برس قبل میں ایسا تو نہ تھا
نہ یہ طاقت تھی نہ یہ طرز حکومت میری

بڑھتے بڑھتے ہی بڑھی دولت و ثروت میری
کھلتے کھلتے ہی کھلی چشم بصیرت میری

ہوتے ہوتے ہی ہوئے تجربے حاصل مجھ کو
رفتہ رفتہ ہی گئی مجھ سے جہالت میری

آج تہذیب و تمدن سے بھی واقف ہوں میں
آج دنیا میں ہے مشہور شجاعت میری

کون ہے وہ جو نہیں مانتا لوہا میرا
روس والوں ہی کے دلمیں نہیں ہیبت میری

ایشیا بھر میں نہیں کوئی مقابل میرا
جس کا جی چاہے وہ تالے یہ صداقت میری

دور کیوں جائیں پھچوالئے کوبات آتی سی
کیا شہادت کو ہے کم صنعت و حرفت میری

مجھ سے خالی نئی دنیا نہ پرانی دنیا
آج اس درجہ ہے زوروں پہ تجارت میری

دیکھئے اسکی بدولت جو خدا نے چاہا
دولت ہند میری، ثروت تبت میری

میں نے یورپ ہی سے سیکھا ہے یہ جو کچھ سیکھا
فیض ہے حضرت استاد کا محنت میری

شکر صد شکر کہ شاگرد باستاد رسید
ہو گئی قابل تقلید مشقت میری

پھولنا پھلنا ہو منظور جسے دنیا میں
چاہئیے اس کو کہ سیکھے وہ ریاضت میری

اپنے ہمسایوں کی خدمت میں ہے جاپان کی عرض
علم یورپ سے تو لو مجھ سے ارادت میری

دیگر

کوئی کچھ پاتا نہیں گھر بیٹھ کر آرام سے
نام آور ہم ہوئے دنیا میں اپنے کام سے

کام ہم نے جو کئے وہ جس سے چاہو پوچھ لو
چھپ نہیں سکتے ہیں تبت سے برما سے سیام آسام سے

کام کرنے کے بھی دنیا میں ہزاروں ڈھنگ ہیں
واقفیت شرط ہے ہر کام کے انجام سے

واقفیت ہو نہیں سکتی بلا تعلیم کے
اور پھر تعلیم بھی تیری ہے کلی اہتمام سے

صنعت و حرفت تجارت کاشتکاری کے اصول
ہم نے سیکھے اپنی ان تھک کوششوں سے دام سے

یاد ہیں ہم کو ابھی تک اپنی پچھلی حالتیں
ایشیائی وحشیوں میں ہم بھی تھے گمنام سے

آئے دن کے جھوٹے جھگڑوں میں تھے ہم بھی مبتلا
سست تھے نا اہل تھے واقف نہ تھے کچھ کام سے

ہم وہی ہیں کوئی ہم کو پوچھتا بھی تو نہ تھا
ہم وہی ہیں۔ تھا تنفر ہم کو غیر اقوام سے

ان جزیروں میں اچھلتے کودتے پھرتے تھے ہم
واقفیت تھی نہ یورپ سے نہ روم و شام سے

شوق ملاحی کا بے حد شغل، مچھلی کا شکار
کام کچھ پڑتا تو پڑتا تھا کبھی صمصام سے

وہ بھی آپس ہی میں کٹ مرتے تھے لڑ بھڑ کر ہمیں
آپ ہم اپنا زیاں کرتے تھے قتل عام سے

دوست اپنے آپ تھے ہم دشمن اپنے آپ تھے
باز آتے ہی نہ تھے ہرگز خیال خام سے

پست ہم اتنے تھے ہم سے پست کیا ہوگا کوئی
مدتوں یوں ہی رہے ہم مختلف اوہام سے

۱۸۵۳
یک بیک اٹھارہ سے ترپن میں آنکھیں کھل گئیں
میل جول اپنا بڑھایا ہم نے غیر اقوام سے

شوق سیاحی کا ملاحی سے بڑھ کر ہو گیا
گھر سے نکلے ایسے جیسے صید نکلے دام سے

گاہ یورپ گاہ امریکہ کی ہم نے سیر کی
ہو گئے واقف وہاں ہم ہر طرح کے کام سے

ان میں جو جو اچھی اچھی عادتیں تھیں سیکھ لیں
ہاں مگر بچتے رہے افعال نا فرجام سے

ہم اندھا دھند اہل یورپ کی جو کرتے پیروی
پھر تو ہو جاتی محبت بادۂ گلفام سے

ہم نوالہ ہم پیالہ اُن کے ہو جاتے اگر
شوق فیشن کا سماتا، ذوق رہتا جام سے

پھر اصول صنعت و حرفت کہاں سے سیکھتے
جیسے جاتے ویسے واپس آتے ہم انعام سے

کوئی کتنے کے برابر بھی ہمیں پھر پوچھتا؟
یاد کرتا کوئی کیا اعزاز سے، اکرام سے

غیر ممکن کامیابی تھی ترقی بھی محال
ہوتے گر واقف نہ ہم افتاد شتِ ایام سے

کہتے سنتے تھے سب ہی کچھ ملتے جلتے تھے مگر
کام رکھا ہم نے ہر حالت میں اپنے کام سے

پائے استقلال میں لغزش ذرا آنے نہ دی
ہم نے کی اپنی حفاظت آپ استحکام سے

ہم وہاں سے آئے جب واپس تو آئے کامیاب
واقفیت ہو گئی چھوٹے بڑے ہر کام سے

سب سے پہلے قوم کو اپنی بنایا ہم نے قوم
سب سکھایا قوم کو سیکھا جو غیر اقوام سے

درسگاہیں صنعت و حرفت کی ہم نے کھول دیں
کارخانے بھی کئے قائم تو استحکام سے

ہم نے پھیلایا نہیں کچھ مذہبی جوش و خروش
بت پرستی سے تعرض تھا نہ کچھ اسلام سے

کیا غرض مذہب سے ہم کو جس کا مذہب اس کے ساتھ
کام کرنے میں مدد لی ہم نے خاص و عام سے

ایسی ایسی محنتیں کیں ایسی ایسی کوششیں
شام کر دی صبح سے پھر صبح کر دی شام سے

رات کو رات اور دن کو دن کبھی سمجھے نہیں
پھر کبھی بیٹھے نہیں بیکار ہم آرام سے

ہو گیا ہر روز روزِ عید، ہر شب شبِ برات
رنج سے مطلب رہا ہم کو نہ کچھ آلام سے

جبر سے تعلیم کے کالج ادھر قائم ہوئے
اور ادھر ہونے لگی تعلیم اذنِ عام سے

پھر نہ ما یحتاج میں محتاج غیروں کے رہے
حاجتیں کیں اپنی پوری ہم نے اپنے کام سے

اپنے اسبابِ خور و نوش آپ ہی پیدا کئے
کام کرنے میں نہ آئی عار ننگ و نام سے

جنگ کا سامان بھی تیار ہم نے ہی کیا
جنگ بھی ہم نے ہی کی ہر دشمنِ خود کام سے

فتح یابی کے پھریرے اڑ رہے ہیں چار سو
داد لی ہم نے جوانمردی کی خاص و عام سے

ناز ہے مردانگی کو اب ہماری تیغ پر
اب تجارت بھی تو بکتی ہے ہمارے نام سے

کیا تجارت کیا شجاعت کیا صناعت کیا علوم
فخر ہے ان سب کو دنیا میں ہمارے نام سے

ایک شمہ اپنی حالت کا سناتے ہیں انہیں
واقفیت چاہتے ہیں جو ہمارے کام سے

ایک مقام آشیلو ہے جس میں ہے تانبے کی کان
اس کا مالک ہے ہمارے ہی بنی اعمام سے

سات سو ٹن تانبہ سالانہ نکلتا ہے وہاں
دس ہزار انساں لگے رہتے ہیں اپنے کام سے

جس کی سالانہ بچت ہے پونڈ ساڑھے تین لاکھ
دور رہو یہ چشمِ زخمِ چرخِ ازرق فام سے

ناصحانہ عرض ہے اس قوم سے جاپان کی
جو ترقی اپنی چاہے دوسری اقوام سے

اولیں اے قوم! اصلاحِ دماغ و دل کنید
اعتبار و اتفاقِ باہمی حاصل کنید

(رسالہ تحفہ ۱۳۲۳ء)

کالی رات

کیا بھیانک ڈراونی ہے رات
سوجھتا تک نہیں ہے ہاتھ کو ہاتھ

چاند تاروں سے ہے یہ خالی رات
کیا اندھیری ہے اب یہ کالی رات

کسی مظلوم کا ہے دودِ آہ
یا منافق کا ہے یہ قلبِ سیاہ

یا ہے بختِ سیاہ عاشق کا
یا ہے اعمال نامہ فاسق کا

رات یا پشت آفتاب ہے یہہ
یا شب قدر کا جواب ہے یہہ

یا ہے یہہ لیلۃ البرات کی ضد
یا سفیدی سواد کائنات کی ضد

کون کہتا ہے کالا کوا ہے
شب دیجور کی یہہ حوا ہے

ہو کا عالم ہے ایک سناٹا
چو طرف ہے ہوا کا زناٹا

آنکھ کھلتے ہی جی دھلتا ہے
مارے دہشت کے دم نکلتا ہے

دن میں دن حشر کا ہے دن ہیہات
رات میں رات قبر کی ہے رات

دن وہ دن ہو کہ رات ہو وہ رات
ہم کو کافی ہے اک خدا کی ذات

ہو ہمارے لئے اگر ہو نجات
عید اسکا دن وہ یہہ برات کی رات

قبر کی رات میں عذاب نہ ہو
حشر کے دن مرا حساب نہ ہو

یا الٰہی رہ نجات دکھا
ہم کو ایسی نہ کالی رات دکھا (رسالہ تاج ۱۹۱۶ء)

سلام

سلامی اشک سے خالی نہ رکھ آنکھوں کے کاسوں کو
کہ کل کو منہ دکھانا ہے محمدؐ کے نواسوں کو

خدا شرمائے ایسے خیرہ سر نا حق شناسوں کو
کیا جس نے شہید پیاسا نبی ہی کے انیسوں کو

وعید نار دوزخ شمر کے سے بد اساسوں کو
نوید جنت الماویٰ ہمارے ہم قیاسوں کو

دم رخصت کہا دل تھام کے بچوں سے زینب نے
سدھارو دن پہ لیکن ہاں بچا رکھنا حواسوں کو

ق

کئے ہیں شام نے احسان شمر و ابن سعد پہ کیا کیا
مگر وہ دن نہیں ہیں یاد ایمان ناسپاسوں کو

ہر آک کہتا ہے اہل فوج سے کیسے بہادر ہو
شکست اب تک نہ دی تم نے بہتر بھوکے پیاسوں کو

پھوپی اکبر سے کہتی تھیں کہ خیمے سے نہ جا باہر
نظر ہو گی تری اٹھتی جوانی کے حیاسوں کو

بتا کر زینب و بانو کو قاسم سے کہا ماں نے
میری جاں آخری تسلیم کرتے جاؤ ساسوں کو

کہا عون و محمد کو اجازت دیکے زینب نے
الٰہی تجھ کو سونپا میں نے دونوں بے ہراسوں کو

لگی کیفی کے دل کی بھی بجھا دینا میرے مولیٰ
کریں سیراب جس دم بادہ کوثر سے پیاسوں کو (رسالہ تاج ۱۹۱۶ء)

مغزِ سخن

یہ نظم بتقریب شصت سالہ جوبلی مدرسۃ العلوم ۱۳۲۲ھ پڑھی گئی تھی۔

حمد و نعت و منقبت تشبیب و تمہید و خطاب
کیا لکھیں کیا لکھ سکیں کیونکر لکھیں کیوں پیچ و تاب

حمد کے قابل خدا ہے نعت کے لائق رسولؐ
حامد و محمود و احمد، جس نے پائے ہیں خطاب

منقبت اصحاب و آل و اولیاء کی کیا لکھیں
ایک سے ایک انتخاب اور ایک سے اک لاجواب

کیا لکھیں تشبیب اب معشوق ہی کوئی نہیں
ہو بھی گر معشوق تو کیا جب نہیں اپنا شباب

جب نہ ہو ممدوح تو تمہید کس کے واسطے
جب نہ ہو کوئی مخاطب ہم کریں کس سے خطاب

پہلے یہ معلوم تو ہو جائے کچھ۔ ہم کون ہیں؟
شکوہ سنجی کس لئے؟ کس واسطے ہے پیچ و تاب

ہم ہیں شاعر۔ شاعری بے سود ثابت ہو چکی
اس لئے اصناف شعری کا ہوا ہے سدباب

جو غزل گو ہیں، وہ شہدے ہیں قصاید گو ہیں بھاٹ
مرثیہ گو ہیں شکم پرور، رباعی گو خراب

اخرب و اخرم میں بھی جن کو نہیں ہے امتیاز
وہ رباعی کہنے سے کرتے نہیں ہیں اجتناب

شاعری کی علت غائی ہوئی تفریح طبع
اور اب تفریح کے ساماں ہیں بےحد و حساب

چھوڑ کر فٹ بال ٹینس کون سیکھے شاعری
پھر عروض و قافیہ پڑھکر کریں کیوں دن خراب

سب پہ طرّہ یہ کہ ٹھہری شاعری منحوس بھی
پھر تو اس کی چھاؤں سے بھی چاہئے ہو اجتناب

اک زمانہ تھا کہ شاعر صاحب تاثیر تھے
آگ باگ ان سے کوئی ہوتا تھا کوئی آب آب

شاعر اپنے عہد کے لوگوں کی ہے گویا زباں
لوگ جیسے ہونگے ان کے شعر ہوں گے انتخاب

جب ہو اہل ملک میں زور شجاعت آشکار
نکلے فردوسی کا ثانی کوئی ہومر کا جواب

جب ہوں حسن و عشق کے چرچے خوشامد کی ہو مانگ
پھر نظیری ہو کوئی۔ کوئی ظہیر فاریاب

فلسفے حکمت کا شہرہ یا تصوف کا ہو شوق
پھر تو بے گنتی ہوں خیام و اوحدی بےحساب

چھوڑ کر ایرانیوں کو ہند کی تاریخ لو
آخر اردو کے بھی شاعر ہیں کئی اک لاجواب

از ولی تا داغ و حالی دیکھئے اک ایک کو
میر۔ سودا۔ درد۔ انشا۔ مصحفی۔ ناسخ۔ تراب

ذوق۔ مومن۔ غالب۔ آزردہ۔ ظفر۔ آتش۔ انیس
اپنے اپنے رنگ میں اک اک ایک ہے یہ انتخاب

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰)

رنگ اُن کے قدردانوں کا ہے ان کے شعر میں
ہے ہر اک دیوان مذاقِ وقت کی نادر کتاب

کیا قصیدہ، کیا غزل، کیا مرثیہ کیا مثنوی
کہہ چکے سب اور حسبِ حوصلہ پائے خطاب

بلبلِ ہندوستاں کوئی کوئی سعدیِ ہند
کوئی خاقانیِ ہندوستاں کوئی حاضر جواب

کوئی استادِ سخن، کوئی خداوندِ سخن
کوئی صوفی کوئی واعظ کوئی ہے رندِ خراب

شاعری ان سب کی حسبِ اقتضائے وقت تھی
غدر سے ہندوستاں میں پھر ہوا جو انقلاب

شاعری نے رنگ بھی بدلا زمانے کی طرح
زلفِ مشکیں کٹ گئی پھیکا پڑا لعلِ خوشاب

حالتِ موجودہ پر حالی نے وہ نظمیں لکھیں
جس سے ظاہر ہو گیا کیا ہے خطا کیا ہے صواب

پھر بھی کچھ باقی رہی خال و خطِ گیسو کی مانگ
کیونکہ اگلے لوگ ابھی بھولے نہ تھے پچھلے کے خواب

دامنِ ہستی پہ نامِ داغ آخر رہ گیا
بعد کو اس طرز کا بھی ہو گیا مسدود باب

اب جو شاعر رہ گئے ہیں انکی ہے حالت عجیب
تین میں گنتی رہی ان کی نہ تیرہ میں حساب

جن کو ہے ذوقِ صحیح اشعار کا وہ بدنصیب
بارگاہِ کس مپرسی میں ہوئے ہیں باریاب

بدمذاقی نے کیا ہے قدردانی کو شکار
اس لئے ذوقِ سخن جل بھن کے ہے خود ہی کباب

جذبہ و تاثیر و تخئیل و تلاشِ فکرِ شعر
خود بخود گم کیوں نہ ہوں جب ہو دماغ و دل خراب

ہو گئی ہے آدھی تیتر شاعری آدھی بٹیر
بر محل ہیں نیم تر پائیں اگر شاعر خطاب

موعظت حالی کی شوخی داغ کی گھل مل گئی
یہ حلیم و حلوہ مل کر بن گیا نادر لعاب

روشنی کی کچھ جھلک ہے کچھ سیاہی کی چاٹ
کھل گیا ہو جس طرح ریشِ مخضّب کا خضاب

اس سے ظاہر ہیں مذاقِ ملک کی نیرنگیاں
کس دو عملہ میں گرفتار آج کل ہیں شیخ و شاب

دیکھیے یورپ کے پچھم اور اُتر سے دکن
سب کی ڈانواں ڈول نیت سب کی حالت ہے خراب

سب سے اب قطعِ نظر کیجیے دکن کو دیکھیے
یہ ریاست سارے ہندوستان میں ہے انتخاب

یعنی ملکِ حیدرآباد دکن، رشکِ عدن
داغ و حالی سے کئی اک ہیں یہاں سے فیضیاب

ہے قدامت سے دکن فیاضیوں میں مشتہر
ہُن کبھی برسایا کرتا تھا یہیں آ کر سحاب

تھا ظہوری بھی نمک پروردۂ ملکِ دکن
اور ظفر نے بھی پایا تھا یہیں آ کر خطاب

شوق ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی کا تھا
ہے ظہوری کی نوا سنجی پُر از چنگ و رباب

سات سو اسی میں جب محمود شاہ بہمنی
سلطنت کے تخت پر بیٹھا ہی با صد عز و تاب

مدرسے کھولے کئی اک علم کو دی تازگی
جس قدر حصے میں تھا حاصل کیا اس نے ثواب

بیدر و گلبرگہ و جنیر و ایل قندھار
مدرسوں کے واسطے یہ شہر پائے انتخاب

سات سو سر سٹھ [۸۶۷] میں کی محمود گاوان نے بنا
مدرسے کی شہر بیدر میں بطرز لاجواب

طول و عرض اس کا چھتیس [۳۶] اور چھپن [۵۶] گز کا تھا
اور سو فٹ کے دو مینار جس پر بے حساب

طالب العلموں کو کھانا مفت کپڑا مفت تھا
مفت پڑھنے کو ملا کرتی تھی ہر درسی کتاب

آج تک اوس کے کھنڈر باقی ہیں آثار قدیم
مثل طاق کسروی و گنبد افراسیاب

قطب شاہی دور میں تھا گولکنڈہ دار علم
طالب علم اسمیں پڑھ پڑھ کر ہوئے ہیں کامیاب

جب محمد نے بسایا حیدر آباد دکن
در سنین حفظ [۹۸۹] از روئے جمل کر لو حساب

چار مینارہ بنایا مدرسے کے واسطے
اور یا حافظ [۱۰۰۰] ہے تاریخ بنائے لاجواب

کیسے کیسے تھے دکن میں قدر دان علم و فن
لوگ کیا کیا جمع ہوتے تھے فضیلت انتساب

شیخ عین الدین گنج العلم تھا جن کا لقب
تھے یہیں۔ اطوار الابرار ان کی اک تاریخی کتاب

تین دن ہفتے میں خود فیروز شاہ بہمنی
درس دیتا تھا فرشتہ نے لکھا ہے اس کا باب

ملا فتح اللہ شیرازی ۔ حبیب اللہ شاہ
شیخ علم اللہ محدث۔ جس کا علامہ خطاب

اور علامہ محمد ابن خاتون با فقیہ
مولوی عبد الکریم ایک ایک فرد لاجواب

مولوی حافظ شجاع الدین صاحب قادری
درسگاہیں ان سبھوں کی تھیں نہایت کامیاب

سات سو ہجری سے بارہ سو تک آ پہنچے ہیں ہم
ہے یہ چھ سو سال کی تاریخ کا لب لباب

آصفیہ سلطنت جب سے یہاں قائم ہوئی
شاہد عالم نے اپنے رخ سے الٹی ہے نقاب

علم کے چرچے یہاں پہلے سے بھی افزوں ہوئے
سہل سب پر ہوگیا علم و ہنر کا اکتساب

آصف اول نے کھولا مدرسہ فاروقیہ
پڑھنے والوں کے لئے ہی آج تک وا اس کا باب

پھر تو ہر آصف نے اس تعلیم کے گلزار کو
اپنے اپنے عہد میں بخشی ہے تازہ تازہ آب

ابتدا میں چرچ آف انگلینڈ کا اک پادری
کر چکا تھا انگریزی مدرسہ کا فتح باب

بعد رومن کیتھولک اسکول بھی کھولا گیا
فخریہ پھر مدرسہ قائم ہوا با آب و تاب

اس طرح کے غیر سرکاری تھے دو اک مدرسے — جن میں دی جاتی تھی تعلیم ریاضی و حساب
جب کہ بارہ سو بہتر [١٢٧٢] میں کیا سرکار نے — صیغۂ تعلیم قایم مدرسہ کا فتح باب
سب سے پہلے شہر میں کھولا گیا جو مدرسہ — وہ یہی ہے جس سے ہے سارا زمانہ فیضیاب
اس کا بانی کون ہے۔ نواب سر سالار جنگ — جس کو یورپ سے ملا بسمارک ثانی کا خطاب
نام نامی اس کا رکھا گیا دار العلوم — کارنامے اس کے ہیں دنیا میں مثل آفتاب
سب سے پہلا مہتمم اس کا تھا آں خانِ شہیر — جس کی ردِ مہدویہ ہے بہت اچھی کتاب
مولوی عبد اللہ و عبد الحلیم ۔ احمد علی — مولوی حیدر علی عباس فرد لاجواب
راقم دولہ سند الملک [illegible] سے ادیب — سب یہاں دیتے تھے اپنے وقت میں درس کتاب
شہ وحید الدین احمد بھی تھے اس کے مہتمم — اس زمانے تک رہا ہے اور ہی اس کا نصاب
فارغ التحصیل ہیں اس عہد کے بھی سیکڑوں — سب نے ملکی خدمتیں انجام دی ہیں بے حساب
صوبہ دار و معتمد بھی ناظم و صدر المہام — رہ چکے۔ اس مدرسے ہی میں کے اکثر کامیاب
اور بھی [illegible] مشہور ہیں — وہ بھی ہیں اس فیض گاہ عام ہی سے فیضیاب
مہتمم اس کے ہوئے جب مولوی [illegible] — جو عماد الملک کے استاد تھے حکمت مآب
یہ ہوا الحاق پنجاب یونیورسٹی — مولوی منشی میں بھی لڑکے ہوئے کچھ کامیاب
اس طرح اس مدرسے پر گزرے [illegible] — آگیا تھا اچھے پیمانہ پہ تعلیمی نصاب
جب سے مولانا الٰہی بخش اس خدمت پہ آئے — پائے ہیں اس مدرسے نے رونق عہد شباب
منشی عالم۔ مولوی عالم سے لڑکے بہت — منشی فاضل مولوی فاضل میں نکلے کامیاب
اس سے پہلے کس نے ان درجوں کی پائی تھی سند — اس کے پہلے پائے تھے لڑکوں نے کب یہ خطاب
آپ سن تیرہ سے فصلی میں مدرس بن کر آئے — مہتمم دو سے [١٣٠٢ف] رہے تا چار [١٣٠٤ف] کم تنخواہ یاب
چار سے [١٣٠٤ف] تا چھ [١٣٠٦ف] ملی ہے ۔ نصف تنخواہ آپ کو — چھ سے پوری یافت لیکن منصرم تھے آنجناب
مستقل سن آٹھ [١٣٠٨ف] میں اس وقت سے اس وقت تک — چور اسی [۸۴]۔ ایک سو سرسٹھ [١٦٧] میں نکلے کامیاب
آٹھ سے [١٣٠٨ف] تا پندرہ [١٣١٥ف] ہیں تین سو پچانوے — مستند۔ کل سات سو اکتیس [٧٣١] لڑکے فیضیاب
جب کہ سن سولہ [١٣١٦ف] میں ٹوٹا سلسلہ پنجاب کا — مشورہ سے مولوی شبلی کے کچھ بدلا نصاب

چار سو پینتیس [۴۳۵] میں سے نکلے دو سو چار [۲۰۴] رہی
ہے یہ سن سترہ [۱۳۱۷ف] سے سن بائیس فصلی [۱۳۲۲ف] تک حساب

یعنے سن تیرہ سے دو [۱۳۰۲ف] فصلی سے سن بائیس [۱۳۲۲ف] تک
شش صد و ہشتاد و سہ [۶۸۳] لڑکے ہوے ہیں کامیاب

ساٹھ [۶۰] سالہ عمر اب اس مدرسہ کی ہوگئی
بیس سالہ یہ ہے پہلے کا نہیں ملتا حساب

اس زمانے میں جو نکلے ہیں یہاں سے نامور
لا نہیں سکتا ہے کوئی مدرسہ اس کا جواب

خدمت اعلیٰ پہ بھی پہنچے ہیں ذاتی سعی سے
دفتروں میں مدرسوں میں ہیں یہاں کے کامیاب

قومی خدمت کر رہے ہیں خدمت سرکار بھی
ایک اڈیٹر ایک کو ہے شوق تصنیف کتاب

کوئی ناظم کوئی ناظر ہے کوئی تحصیلدار
ہے تعلقدار کوئی کوئی دانائے حساب

بعض ان میں کے وزیران دکن کے پیشکار
منتظم ہے اصطلاح حال میں جن کا خطاب

کوئی استاد وزیر اعظم ملک دکن
کوئی سلطان دکن کا ہے ندیم باریاب

ایسے ایسے طالب العلموں نے پایا جن سے فیض
ان کے اسمائے گرامی بھی ہیں مثل آفتاب

وہ وجیہہ الدین ریاضی دان و عون الدین ادیب
اور وہ رحمت علی خوشنویس لاجواب

مولوی عباس عبدالحی علامہ محی الدین
خواجہ شرف الدین، تاج الدین سادات انتساب

مصطفےٰ اشہ قادری۔ شہ مصطفےٰ لعبد القدیر
میر موسیٰ بیدل و شمسی نہ نسیم لاجواب

اور بھی ہیں یوں تو استادان علم و فن مگر
ذکر کے قابل ہیں دو ہر ایک فرد انتخاب

ایک تو علامہ سید نادر الدین اوستاد
دوسرا فاضل ادیب نکتہ رس آبن شہاب

ناز کر ہاں! اِس نفوس قدسیہ پر ناز کر
تجھ کو اے دار العلوم ایسے ملے ہیں شیخ و شاب

تیرے وہ احکام وہ اوستاد وہ شاگرد ہیں
اس زمانہ میں کہیں ملتا نہیں جن کا جواب

کیا تعجب ہے اگر آنکھیں بچھاتے ہوں ملک
جس جگہ جس وقت ہو ان کا ایاب ان کا ذہاب

آج تیری ساٹھ سالہ جوبلی کے جشن میں
کس مسرت سے ہوے ہیں جمع سارے شیخ و شاب

تیری بوسیدہ عمارت کا نہیں ان کو خیال
کچھ نہیں پروا اگر ہے تیرا فرنیچر خراب

کچھ وظائف کی کمی کا بھی نہیں ان کو گلہ
کیا شکایت ہوں اگر استاد کم تنخواہ یاب

فخر کے قابل ہے کوئی بات تو یہ بات ہے
آج تک پیدا کئے ہیں تو نے کتنے کامیاب

آج پھر کس شان سے وہ آرہے ہیں مدرسے
تو بھی کہہ ان کے لئے طوبیٰ لھم حسن المآب

جمع ہیں حکام بھی استاد بھی شاگرد بھی — اور ہم نے کہہ دئے دیکھے تھے جو جو سچے خواب

اب رہی تعبیر ان خوابوں کی وہ ہم کیا کہیں — دیکھنے ہیں کیا دکھاتا ہے ہمارا انقلاب

جیسی جیسی پھیلتی جاتی ہے ہم میں روشنی — دیکھتے جاتے ہیں ہم راہِ خطا راہِ صواب

کاش ہو ہر شخص کو اپنی خطاؤں پر نظر — پھر نہ دنیا میں مصیبت ہو نہ عقبیٰ میں عذاب

جب خطاؤں پر نظر ہم ڈالتے ہیں سرسری — یہ مسرت، یہ خوشی، ہو جاتی ہے سب نقش آب

دیکھتے ہیں کیا اثر ہم پر ہوا تعلیم کا؟ — کیا کیا ہے عالم و فاضل ہیں ہو کر کامیاب؟

پیاس اپنی جس سے بجھتی ہے وہ دریا دور ہے — اور ہم خوش ہو گئے ہیں جب دیکھ لیتے ہیں سراب

ہے ضرورت ہم کو اب کس قسم کی تعلیم کی — اور اپنی درسگاہوں میں ہے کیا جاری نصاب؟

باگ کن ہاتوں میں ہے اس وقت تعلیمات کی؟ — کس طرح رہنا ہے ہم کو انکے ہمراہِ رکاب؟

گر کریں انصاف سے ان مسئلوں کی چھان بین — اپنی سب کمزوریاں پیش نظر ہوں بے حجاب

سب سے پہلا سبب بیماری ہم یہ ہو جو اعتراض — وہ یہ ہے ہم میں نہیں ہے اتفاق و اقتراب

ہم اگر یکدل ہوں سب دشواریاں آساں ہیں — اپنے ہر مقصد میں ہوں اچھی طرح کامیاب

مدرسہ اپنا یہی بن جائے یونیورسٹی — سہل تر ہم پر ہو ہر علم و ہنر کا اکتساب

ہاں! مگر یہ یکدلی لائیں کہاں سے مول کر؟ — ہے اسی کے واسطے ہر زندہ دل کو اضطراب

زندہ دل ایسے ہیں کتنے؟ اُن میں کتنی جان ہے — آتش خاموش میں آئے کہاں سے التہاب؟

جوش ہوتا ہے تو خون اپنا ہی پی لیتے ہیں ہم — آگ لگتی ہے تو دل جل بھن کے ہوتا ہے کباب

یکدلی کی التجا کس سے کریں کیونکر کریں — ہو گئی مفقود جب تاثیر جذب و انجذاب

چند بے مایہ ہوں یکدل بھی تو ان سے کیا امید — کھیل سب پیسے کے ہیں افلاس کا خانہ خراب

اِس سے سوا اس سے ترک ملک میں ہے مُردگی — ٹس سے مس ہوتے نظر آتے نہیں ہیں شیخ و شاب

سب سمجھتے تھے غرض تعلیم سے ہے نوکری — لڑتے تھے کہہ کہہ کے ہم یہ اور وہ یہ کامیاب

اب یہ دُھن ہے بے سفارش نوکری ملتی نہیں — فائدہ پڑھنے سے کیا ہے بند کردی ہے کتاب

مارے مارے پھرتے ہیں سعی سفارش کیلئے — دوڑے دوڑے جاتے ہیں اک ایک کے گھر بے حجاب

وقت ضائع افسروں کا پڑھتے پڑھتے عرضیاں — لکھتے لکھتے چٹھیاں اوقات امیروں کی خراب

ایسے ہیں تعلیم ناقص کے نتایج شنیع — کیا گنائیں عیب ہم اپنے کہ ہیں وہ بیحساب

جب نہیں سنتے ہیں اہم حکم خدا فرمان شرع — کون سنتا ہے ہماری بات اگر ہو لاجواب

اس لئے جو دل میں ہے وہ لب تک آ سکتی نہیں — چپ رہو کیفی یہاں تک اور کب تک پیچ و تاب

قوم کی اصلاح پیچھے پہلے ہو اصلاح نفس — ہم برے ہوں تو نظر آئیں گے ہم کو سب خراب

یہ زمانہ بھی غنیمت ہے غنیمت ہیں یہ لوگ — آگئے آگئے پھر خدا معلوم کیا ہو انقلاب

شاہ عادل میر عثمان علیخاں کا ہے عہد — امن و آسایش ترقی کے ہیں وا ہر سمت باب

اُن کے اوصاف نکو عالم میں ہیں ضرب المثل — رائے و عزم و علم و دانش رعب و داب و احتساب

پھر وزیر سلطنت اس وقت ہیں سالار جنگ — جن کا عہدہ کی طرح سے ہے یہ آبائی خطاب

جب وزیر صیغۂ تعلیم فخر الملک ہیں — پھر تو ہو کیونکر نہیں امید اصلاح نصاب

معتمد اس صیغۂ تعلیم کے ہیں حیدری — پھر نظامت پر لطیفی کا کیا ہے انتخاب

ہیں حمید الدین صاحب صدر اعلیٰ دار العلوم — جو علوم مغرب و مشرق میں بھی ہیں کامیاب

دیکھ طوطی بولتا ہے اب زمانہ میں ترا — دیکھ اب قسمت چمک جاتی ہے مثل آفتاب

تیری بہبودی اُدھر سرکار کے مد نظر — اور ادھر حامی ہیں جو تجھ سے ہوئے ہیں فیضیاب

ہم مبارکباد دیتے ہیں تجھے دار العلوم — جوبلی پر جوبلی ہو تیری تا یوم الحساب

تیرے سر سہرا رہے تعلیم و دینیات کا — گلشن عالم میں لودیتا رہے جبتک گلاب

تجھ سے پھیلیں بزم عالم میں علوم دینوی — خوشۂ انگور سے جس وقت تک نکلے شراب

تیرے سایہ میں پھلے پھولیں ہمارے نونہال — زور بخشش نامیہ جبتک رہے دنیا میں آب

تو بھی ہو مقبول، میری نظم بھی مقبول ہو — تا رہے دنیا میں تاثیر دعائے مستجاب

نظم کی یہ نظم ہے تاریخ کی تاریخ ہے — واقعات و شاعری کا بھی ہے کچھ لُب لباب

داد اپنی شاعری کی آپ ہی دیتا ہوں میں — جس طرح صبح سے آفتاب آمد دلیل آفتاب

میری ہے یہ التجا خذ ما صفا دع ما کدر — قول حاسد کا یہ ہے یا لیتنی کنت تراب

سچ اگر پوچھو تو ہیں میرے پراگندہ خیال — ہو گیا ہے مجھ سے جرم شاعری کا ارتکاب

عفو ہوں میری خطائیں لفظی و ہم معنوی — اپنی بے علمی کا آخر ہے مجھے خود اعتراف

نظم یہ گرمیِ محفل کے لئے لکھی نہیں
معترض کوئی اگر ہو تو ہے یہ اس کا جواب
مختصر یہ ہے کہ جیسا حال ویسا قال ہے
من چہ گویم تو ہم فہم کن واللہ اعلم بالصواب
(مطبوعہ پمفلٹ)

تاروں بھری رات

جو حسب فرمائش سکریٹری صاحب شعبۂ تعلیم نسواں علیگڈھ لڑکیوں کیلئے لکھی گئی۔

یہ تاروں بھری رات کا کیا سماں ہے
سہانا سہانا تمام آسماں ہے

ہے جس طرح انساں سے عزت زمیں کی
ستاروں سے عزت ہے چرخ بریں کی

یہ قدرت خدا کی ہے حکمت خدا کی
کہ تارے کریں رہبری ناخدا کی

کروڑوں ہیں، اربوں ہیں ہنکوں ہیں تارے
عجب جگمگاتے ہیں سارے کے سارے

کوئی خوب روشن ہے کوئی ہے مدّھم
کسی میں سولہے کسی میں ضیا ہے

ہے اس رات میں جن کے دم کا اجالا
خیال انکی نسبت ہیں لوگوں کے کیا کیا

عرب جاہلیت کے تھے جو اناڑی
انھیں کہتے تھے بیٹیاں ہیں خدا کی

جسے بھاگئی یہ چمکدار ہستی
وہ کرنے لگے ہیں ستارہ پرستی

کسی کو پسند آگئی چال ان کی
لگے کرنے جانچ اور پڑتال ان کی

نصیبوں کی گردش ستاروں کا چکر
نجومی بنے جان کر علم اختر

کسی نے لگایا پتہ جستجو سے
یہ ثابت کیا علم ہیئت کی رو سے

کہ سات آسماں اور ہیں برج بارا
جدا نام رکھتا ہے اک اک ستارا

ہیں سیارے سات اور باقی ثوابت
اصول تمدن ہیں جن سے نوابت

عطارد، زحل، مشتری، زہرہ، مریخ
مہ و مہر وابستہ ہے ان سے تاریخ

بڑا ان سبھوں میں ہے، مہر منوّر
جو نمائب نگاہوں سے رہتا ہے شب بھر

نہ اس وقت وہ ہے نہ مہ اس کا نائب
جو وہ ہوں تو ہو نور تاروں کا غائب

بنات اور نعش اور عقد ثریا
سہیل و سہا اور کیا جانے کیا کیا

فلک پر جب چمکتے ہیں سارے تارے
تو سمجھے ہیں کچھ اور شاعر ہمارے
کبھی چشم سمجھے کبھی خال سمجھے
کبھی ان سے اپنا برا حال سمجھے
کوئی کچھ بھی سمجھے مگر بات یہ ہے
ہماری تو تاروں بھری رات یہ ہے

نغمۂ ابتہاج

حضرت غفران مکان سلطان دکن کے جشن سالگرہ کی تقریب میں اقبال کلب حیدرآباد کے جلسہ سالانہ میں یہ نظم پڑھی گئی تھی۔

مرحبا اے قدردانی زمان ابتہاج
لوحش اللہ نہ ہے پابندی رسم و رواج

قدر وقت شادمانی کوئی ہم سے سیکھ لے
کس طرح بے کھٹکے اپنے گھر میں ہم کرتے ہیں راج

مینھ برستا ہے گھٹا چھائی ہے ساقی اٹھ ترا
دور موسیٰ گرچہ آ جاتی ہے خود بے احتیاج

کام جو ہونے کے ہیں ہوتے ہیں اپنے وقت پر
نیک و بد کا امتیاز اک عارضہ لا علاج

مال لاوارث جو ہاتھ آیا تو سمجھے غیب سے
جو زبردستی کسی سے لے لیا وہ ہے خراج

ہم سے بڑھ کر عدل گستر بندہ پرور کون ہے
رکھ دیا محمود کے سر پر اگر احمد کا تاج

ہیں ندیمان موافق اپنے ایسے بذلہ سنج
باتوں باتوں میں بنا دیں پا کو شاخ زجاج

وہ ترقی کی ترنگیں ہیں نگاہ ناز میں
دیکھ لیں جام سفالی تو نظر آئے زجاج

ہم ہیں وہ عالی دماغ ایسے ہیں پرواز خیال
کرمک شب تاب کو سمجھیں مہ تاب [illegible]

وقت فرصت اپنا صرف عیش و عشرت ہی تو ہے
قحط اپنے کشور اقبال کا [illegible] ہے باج

اللہ اللہ رے ہجوم ساز و سامان سرور
آفریں صد آفریں اے ازدحام ابتہاج

جب نہ ہو فرصت طہارت کی نماز کیا پڑھیں
رات دن پڑتے ہیں لاکھوں ایسے ایسے کام کاج

روزہ بیشک فرض ہے سنتے ہیں لیکن کیا کریں
دیکھتے ہی چاند ہو جاتا ہے دورہ اختلاج

بیڑیاں سگریٹ چٹے راہ میں پیتے ہیں ہم
جب خدا کی ہی نہیں چوری تو کیا بندوں سے لاج

بندوں میں پھر خاص وہ بندے مسلمان روزہ دار
ورنہ غیر اقوام کی ہم ریل میں رکھتے ہیں لاج

کیونکہ ہے وہ حکم حاکم اور ہے یہ حکم شرع
حکم تو اس کا ہے نافذ ہند میں ہے جس کا راج

شرع میں گو حکم ہے صائم کی حرمت کا مگر
فی زمانہ اس کی پابندی کی ہو کیا احتیاج

اپنا مذہب ہے وہی اپنی شریعت ہے وہی
حکم جو قانون دے جو بات پا جائے رواج

فاقہ بدمستوں کو ساقی عیش ہی درکار ہے
مے تو مستی ہی اگر جھٹکا ہی ہونے دو اناج

محتسب مفتی و قاضی اپنے ہم مشرب ہیں سب
خاکِ پاک عیش سے سب کا ہوا ہے امتزاج

چپ چپے رہے حالِ عشرت ہمنوا بھی
ہو گئی آسان مشکل ہو کے رسمِ ازدواج

گھٹ گئی قومی حرارت سرد مہری سے مگر
ہو گیا ہے معتدل کیا کفر و ایمان کا مزاج

حکم دیں بالائے طاق و عیش و عشرت زیرِ مشق
جب سمجھ ہی ہو گئی الٹی تو اس کا کیا علاج

ہم کو کیا کرنا ہے ہم کیا کر رہے ہیں آج کل
کس طرح پہلو بچا کر کر سکیں ہم اندراج

پوری آزادی اگر ہے تو ہے مذہب میں ہمیں
ورنہ ہر اک قاعدے میں ہیں گرفتارِ رواج

عاقبت اندیشیاں دھمکا رہی ہیں بار بار
ورنہ اس اجمال کی تفصیل باقی اندراج

چپ رہو کیفی تمہیں کہنا جو تھا تم کہہ چکے
کچھ ہمیں بھی کہنے دو ہے جلسۂ میلاد آج

(صحیفہ نمبر ۱۲ جلد ۴)

واردات عشق

وہ جدا ہو گئے دن ڈوب گیا رات آئی
پھر وہی ہم ہیں وہی غم ہے وہی تنہائی

کبھی ہے قصد کہ بس ترک تعلق کیجیے
کب تلک آخر یہ ملامت کشی و رسوائی

کبھی آتا ہے خیال اس کو بھی رسوا کیجیے
کہ ہمیں بھی وہ ذرا یاد رکھے ہرجائی

کبھی یہ وہم کہ شاید وہ ہمارا بن جائے
چھوڑ دے اب سے وہ شیوۂ سرِ خودرائی

کبھی آتا ہے خیال اس کے بھی احسانوں کا
کہ کیا لطف بھی با ایں ہمہ بے پروائی

سرکشی سے ہی سہی ہم سے وہ ملتا تو رہا
بے رخی سے ہی سہی شکل نظر تو آئی

گو جفا کوش رہا پھر بھی ہم آغوش رہا
قابلِ قدر ہے او شوخ تری رعنائی

نہ ترے وصل میں آرام نہ فرقت میں چین ۔۔۔ یہ گلا کس سے کہ کیوں تجھ پہ طبیعت آئی

ہاں نہ کرتی تھی محبت مگر افسوس کہ کی ۔۔۔ ہاں نہ آئی تھی طبیعت مگر اپنی آئی

ہاں خطا اپنی قصور اپنا ہے تقصیر اپنی ۔۔۔ جو کیا ہم نے سزا اُس سے ہے دُگنی پائی

اپنے نظروں میں ذلیل اور ہوئی نظروں میں حقیر ۔۔۔ ساتھ ذلت کے محبت میں ہوئی رُسوائی

سنتے آئے ہیں محبت میں ہے رسوائی بھی ۔۔۔ اس سے کچھ پاتا ہے تسکین دلِ شیدائی

طعن و تشنیع کے اندیشے تو سمجھاتے ہیں ۔۔۔ یعنی بدگویوں سے ہو جاتی ہے بے پروائی

ہم تو طے کر چکے یہ منزلِ دشوار گزار ۔۔۔ دل شکن طعنوں سے اب ہوتی ہے دل افزائی

حوصلے عشق کے ہوتے ہیں بلند اور سوا ۔۔۔ عہدِ پیری میں بھی آجاتی ہے پھر برنائی

ضد سے وہ کرتے ہیں جس کا نہ کبھی دھیان آئے ۔۔۔ جانتے ہیں کہ نیا رنگِ محبت لائی

سب سے نفرت کا نتیجہ ہے کہ چاہیں اُسکو ۔۔۔ اور چاہیں بھی تو اس طرح کہ ملی چھائی

دیکھ کر چاہ کا غلبہ اُسے ہوتا ہے غرور ۔۔۔ شکل وہ سمجھتے ہیں زیبائی و نازیبائی

پیار آتا ہے کبھی عار بھی آتی ہے کبھی ۔۔۔ کہ دل آنے سے ہے پہلے نہ ہمیں موت آئی

تا بکے صدمۂ روحانی و غیرت سوزی ۔۔۔ تا کجا منت و تا چند جبیں فرسائی

نہ محبت نہ مروت ہے نہ آدابِ اخلاق ۔۔۔ بات وہ بات ہے جو اُسکی سمجھ میں آئی

اُف رے بیدردِ تری کس سے شکایت کیجے ۔۔۔ کہ ہے بیکار یہاں دادگری دارائی

خدمتِ عاشقِ صادق کی نہ دی داد کبھی ۔۔۔ اور فریاد و فغاں کی نہ ہوئی شنوائی

عاجزی پر ہے توجہ نہ خوشامد پہ نظر ۔۔۔ نام کیا عجب و تکبر کا ہے دل آرائی

کیا نہیں آتے ہیں اسطرح کے برتاؤ ہمیں ۔۔۔ ہم بھی کر سکتے ہیں اسطرح کی بے پروائی

اک زلیخا ہی نہ تھی عاشقِ معشوق آزار ۔۔۔ دی ہے خالق نے ہمیں اس سے سوا دانائی

لیکن اپنا یہ طریقہ ہے نہ شیوہ نہ شعار ۔۔۔ بندۂ عشق کو زیبا نہیں شاہنشاہی

دعوئے عشق بھی پھر اتنی حکومت کیا خوب ۔۔۔ یہ غلط فہمی ہے کہتے ہیں اسے کجرائی

اے وہ معشوق ہے یا آپ کا فرمانبردار ۔۔۔ حضرتِ دل بھی عجب طرح کے ہیں سودائی

اُس کا جی چاہا ملا اور نہ چاہا نہ ملا ۔۔۔ اُٹھ گیا اُس کی طبیعت جو ذرا گھبرائی

چھوڑ کر سب کو جو دن رات رہے آپکے ہاں — یہ بھی کچھ بات ہے بس رہنے دو یہ چترائی
وہ گیا جانے دو دن ڈوب گیا ڈوبنے دو — غم کی کیا بات ہے آنے دو اگر شام آئی
دن جو ڈوبا ہے تو پھر نکلے گا انشاء اللہ — سو رہو اب کہ بڑی رات گئی نیند آئی
جانے والے نے پھر آنے کا کیا ہے وعدہ — بس یہی کافی ہے دلسوزِ شبِ تنہائی
یہ تو سب سننے کی باتیں ہیں غلط ہوں کہ صحیح — مگر اس دل کو کروں کیا کہ ہے یہ سودائی
نہیں سنتا کوئی برہان نہ حجت نہ دلیل — رائی کو کوہ کبھی کوہ کو کہدے رائی
کبھی یہ تحمل دل اس شوخ سے ایسی لیلو — کبھی جان اپنی فدا کرنے میں حاتم طائی
کبھی یہ زور کہ ایسے نہ ملیں گے اُن سے — کبھی یہ شور کہ لے اُس کے لیے اب موت آئی

ہے عجب طرح کی یہ کشمکشِ یاس و اُمید
کیفیت کیا ہے یہ ابتک نہ سمجھ میں آئی

متفرقات

تضمین بر غزل استاد داغ

پھرتی ہے آنکھوں میں ہر طرزِ مروت تیری — بھولے جاتی نہیں دل سے مرے فرقت تیری
یاد ہے یاد ہے ایک ایک عنایت تیری — کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سے محبت تیری
لب تک رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری

نہ بہلنا تھا نہ بہلا کبھی سنکر وفرقت — نہ سنبھلنا تھا نہ سنبھلا کبھی پی کر حیم مے
تیری تسکین و تسلی کی رہی کونسی شئے — اب ترا اے دلِ بیتاب خدا حافظ ہے
کر چکے ہم تو محبت میں حفاظت تیری

حسن یہ سب ہے سوا عشق ہے اس سے سوا — تجھ سے وہ چھپ سکا مجھ سے بھی یہ چھپ سکا

نظم کیفی

مجھ سے تو، اور نہ مخلوق سے میں بے پروا　　دیکھئے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا
مجھ کو یہ چاہ مری تجھ پہ ہے تہمت تیری

چھٹ گیا اُن سے مرا ساتھ تو یوں پوچھتے ہیں　　ہوتی ہے اب جو ملاقات تو یوں پوچھتے ہیں
میں ملاتا بھی ہوں گر ہاتھ تو یوں پوچھتے ہیں　　پھر پوچھتے ہیں وہ مری بات تو یوں پوچھتے ہیں
کہتے ہیں کون ہے تو کیا ہے حقیقت تیری

وہ ترا اپنی خطاؤں پہ نہ ہونا نادم　　وہ مرا آپ ہی اپنے کو بنانا ملزم
کبھی یہ دھن کہ بنائیں گے تجھی کو حاکم　　یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم
بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

بھول سکتا نہیں تا حشر کوئی دن کوئی رات　　کہ تری یاد میں گزری ہے جو گزری اوقات
سچ ہے دیتا نہیں دنیا میں کسی کا کوئی ساتھ　　عدم آباد کو جاتے ہیں بشر خالی ہات
مجھ کو ہے ناز کہ لیجاؤں گا حسرت تیری

پوچھنی چاہئے جو بات وہ کب پوچھتے ہیں　　دوست احباب مرے غم کا سبب پوچھتے ہیں
جو بتاتے ہیں نہ مجھ سے کوئی مطلب پوچھتے ہیں　　یار غمخوار مرے حال کو سب پوچھتے ہیں
اور پھر پوچھ کے سب کہتے ہیں قسمت تیری

پہلے کیفی جو پریشان کبھی ہوتا تھا دماغ　　سوئے صحرا کبھی جاتے تھے کبھی جانب باغ
اب یہ حالت ہے کہیں بھی نہیں ملتا ہے فراغ　　کوچۂ یار میں بھی جی نہیں لگتا اے داغ
دیکھئے جائے گی کس روز یہ وحشت تیری

نیا ارمان ہوتا تھا نئی امید ہوتی تھی　　عجب دن تھے کہ اپنی عید اپنی عید ہوتی تھی
پیالے کوثر کے گورے گورے ہاتھ ساقی کے　　ہماری بزم رشکِ محفلِ جمشید ہوتی تھی
وہی دن آج بھی ہے جسکی ہم خوشیاں مناتے ہیں　　ہماری عید کیا وہ تو تمہاری دید ہوتی تھی
کبھی تو شوق بڑھ بڑھ کے گلے ملنا سکھاتا تھا　　کبھی کچھ شرم دامنگیر کی تاکید ہوتی تھی
یہ حسن و عشق تھے جس وقت تک دنیا میں عزت سے　　مری رسم وفا بھی قابل تقلید ہوتی تھی

ہمیں وہ خط لکھا کرتے تھے پہلے کس تکلف سے
بڑا القاب ہوتا تھا بڑی تمہید ہوتی تھی

وہی کہنا پڑا غیروں کو آخر ہم جو کہتے تھے
ہمارے قول کی اول بڑی تردید ہوتی تھی

برا ہو بدگمانی کا الٰہی کیا زمانہ تھا
کہ اک اک بات کی سو سو طرح تنقید ہوتی تھی

پڑے رہتے تھے پیکر مست ہم قدموں پہ ساقی کے
کہاں کی عید کیسی عید کسکی عید ہوتی تھی

زبردستی خفا ہوتا ترا بے چین کرتا تھا
کبھی تو یاس ہوتی تھی کبھی امید ہوتی تھی

ادب سے شوق پا بوسی۔ جھجکتا تھا مگر کیفی
کسی کے مسکرانے سے بڑی تائید ہوتی تھی

مر جائیں زہر اے ستم ایجاد کھا کے ہم
کب تک جئیں غم دل ناشاد کھا کے ہم

سمجھے نہ اس شراب سے بجھتی نہیں ہے پیاس
خوش ہیں فریب عالم ایجاد کھا کے ہم

ہر ایک کو کھلائیں گے ہم ان سے گالیاں
ڈالیں گے ایسے کھانے کی بنیاد کھا کے ہم

محروم وصل تو نہ ہوں گمنام ہوں تو ہوں
مشہور ہوں نہ تیشۂ فرہاد کھا کے ہم

مجنوں کی طرح ایک ہی دن میں پھنسے رہے
سنبھلے نہ تازیانۂ استاد کھا کے ہم

رنگیں بیاں واعظ مغرور سن چکے
آئے ہوائے گلشن شداد کھا کے ہم

مجبوریاں ہیں ورنہ کبھی چپ نہیں رہے
جھڑکی کسی کی اے ستم ایجاد کھا کے ہم

ہستی کہاں ہے اتنی کہ توڑیں ہزار بار
سوگند جان عاشق ناشاد کھا کے ہم

اے کاش جانتے کہ ہے دھوکا یہ سادگی
ہوتے تری ہوا میں نہ برباد کھا کے ہم

تاثیر اور دانۂ گندم کی کیا کہیں
قید جہاں سے ہو گئے آزاد کھا کے ہم

ہم تو تمہاری تیغ ادا کے قتیل ہیں
مرتے ہیں زخم خنجر فولاد کھا کے ہم

سائل کو سیر نعمتِ دیدار سے تو کر
ہاں عمر بھر کریں گے تجھے یاد کھا کے ہم

اب ایک چپ میں اپنی ہی سو قوت فغاں
بیٹھے ہیں مغز نالہ و فریاد کھا کے ہم

شکوہ ہو کیا دغا ہے گلوگیر درد دل
رہ رہ گئے ہیں کاوش بیداد کھا کے ہم

کس کو نصیب اس لبِ نازک کی گالیاں
کھاتے ہیں اور بھی ہو جو ارشاد کھا کے ہم

ٹکڑے کریں گے اور دلِ لخت لخت کے — کاٹیں گے قیدِ عمر کی میعاد کھا کے ہم
تیلی قفس کی بند رہے یا کھلی رہے — اڑ جائیں گے نہ دانۂ صیاد کھا کے ہم
پھر ہم وہی گلی ہے وہی قصد تو یہ تھا — ٹھوکر نہ کھائیں اے ستم ایجاد کھا کے ہم
ہمسا بھی سخت جان ہوا ہے نہ کوئی ہو — گرہ — جیتے ہیں داغِ فرقتِ استاد کھا کے ہم

کیفی کہیں گے بادۂ اطہر کی کیفیت
پلٹیں جو دعوتِ عدم آباد کھا کے ہم

اے دیدۂ تر پارۂ دل لختِ جگر مانگ — قسمت میں گدائی ہے ادھر اور ادھر مانگ
فریاد میں تاثیر نہ آہوں میں اثر مانگ — اللہ سے کچھ اور نہ جز حسنِ نظر مانگ
فولاد کا دل گردہ نہ پتھر کا جگر مانگ — ہے مانگ ہی مقصد تو محبت سے خدا مانگ
حیرت کے تماشے کی اگر سیر ہے منظور — دو دن کے لئے رہنے کو آئینہ سا گھر مانگ
خواہش نہ رہے دل میں سپید و سیہ کی — اے مانگنے والے یہ دعا شام و سحر مانگ
اک دل کے لئے اتنی اداؤں کی ضرورت — جی چاہے تو ہم سے یونہیں اے شعبدہ گر مانگ
بے ذوقِ نظر حسن کی کیا قدر ہو زاہد — اللہ سے گر حور تو ہم سے بھی نظر مانگ
اب تو کبھی آنچل کو بھی رہنے نہیں دیتی — اللہ رے غرور اتنی چڑھی ہے ترے سر مانگ

سر اپنا ہتھیلی پہ لئے جاتے ہیں کیفی
بازارِ محبت میں وفا کی ہے مگر مانگ

عہدِ پیری میں جو مل جاتے ہیں یارانِ شباب — یاد کس حسرت سے آجاتے ہیں سامانِ شباب
جو سمائی وہ سمائی جی میں جو آیا کیا — ہائے کیا دن تھے کہ ہم تھے اور عنوانِ شباب
سر میں سودا دل میں جوش آنکھوں میں مستی تھی — لب پہ شعرِ عاشقانہ ہائے دورانِ شباب
کوچہ گردی شب نوردی تازگی آوارگی — آشکارا جوشِ مستی عشق پنہانِ شباب
قدر دانِ حسن آنکھیں تھیں سنجِ عشق دل — وہ جوانی کی امنگیں اف وہ ارمانِ شباب

رہزنانِ حسن سے تاراج دولتمندِ عقل
قہرمانِ عشق سے مغلوبِ سلطانِ شباب

اک خیالِ ضعفِ پیری مایۂ صد دردِ سر
اک مذاقِ بیخودی آسودۂ خوابِ پریشانِ شباب

رنگ و بوئے نوگلِ خنداں ہے قربانی بہار
غنچہ و گل ہائے رنگا رنگ قربانِ شباب

اب جگہ چھتی نہیں کوئی جگہ چھتی نہ تھی
ضعیفی کی ہے منت تھا وہ احسانِ شباب

چھوٹ کر اس قید سے آزاد ہیں پچتاتا ہوں
یاد رکھیں تو گرفتارانِ زندانِ شباب

ایک دل وہ بھی تو اپنا تھا کہ ہم تجھے تو جواں
ایک دل یہ بھی ہے اپنا اور ہے پایانِ شباب

کیسے کیسے دوستوں کے داغ کیفی دل میں ہیں
ہائے وہ ہم اور وہ جلسے وہ یارانِ شباب

کس قیامت کی ہے بارش ہے یہ کیا آفت جھڑی
ابر کھلتا ہے نہ تھمتی ہے کوئی ساعت جھڑی

دل دکھا آنسو نکل آئے یہ پلکیں کیوں جھڑیں
یا الٰہی عین بارش میں لگی کیسی یہ بیت جھڑی

میرے دل کا حال کوئی تجھ سے کیونکر کہہ سکے
آنکھ کا حال ابر بوسے شک کی حالت جھڑی

عاشق و معشوق کے آنسو نہ پانی پھیر دیں
کیوں لگی ہے آج یہ ہنگامِ بدقسمت جھڑی

بے ترے دل کو مرے باقی ہے اک ایک بوند
ورنہ کیا کہیے کہ کیا کرتی تھی کیفیت جھڑی

خوب جھاڑا سیکڑوں نے شیخ صاحب آپ کو
گرد کلفت پھر بھی دامن سے نہ لے حضرت جھڑی

چھیڑ کر اس کو کوئی بے طور صلواتیں سنے
پھول منہ سے جھڑتے ہیں ایسے جیسے بیت جھڑی

کون اس برسات میں آتا ہے کیسا انتظار
سو رہو کیفی کہ آدھی رات کی نوبت جھڑی

زمانہ میں اگر اک آدمی بھی تجھ سا حسیں ہوتا
کوئی عاشق ترا ظالم سوا میرے نہیں ہوتا

محبت کی انھیں ہے قدر گر اتنا یقیں ہوتا
تو لاکھوں ظلم سہہ کر بھی نہ میں اندوہگیں ہوتا

ہنسی ہوتی خوشی ہوتی چناں ہوتا چنیں ہوتا
اگر تم میرے ہو جاتے تو پھر کیا کچھ نہیں ہوتا

یہاں تک طول حسن و عشق کا جھگڑا نہیں ہوتا
اگر تم چاہتے تو فیصلہ اس کا وہیں ہوتا

دماغ حسن نے دل کو کیا ہے خاک کا پیوند
وہ بالائے فلک ہوتا نہ یہ زیر زمیں ہوتا

چمن میں انجمن میں سیرگاہوں میں لگا ہو تماشا
نہ بے پردہ ستم آرا امیرا ہوتا کہیں ہوتا

بہت مجبور اپنے دل سے ہوتے تھے تو رہتے تھے
مگر افسوس ہے اب ہم سے اتنا بھی نہیں ہوتا

وہ جب پہلو میں بیٹھا تھا تو دل بس میں کیے لیتے کا ارماں تھا
یہ حسرت اب ہے میرا دل نشیں پہلو نشیں ہوتا

سر تسلیم خم تھا ہم بھی کچھ منہ سے نہ بولے تھے
ادھر بھی وار تیرا وہ نگاہ شرمگیں ہوتا

ہم اپنے دل ہی دل میں درد دل کی داد دے لیتے
نہ کوئی ہم خیال اپنا نہ کوئی ہم نشیں ہوتا

زبردستی تمہارے حسن نے سکہ بٹھایا ہے
نہ دل ہوتا نہ العاشق میرا نقش نگیں ہوتا

مگر دامان شک اپنا دراز اتنا نہ تھا ورنہ
گریباں کا گریباں آستیں کی آستیں ہوتا

کرشمے ہیں یہ بار عشق و آب حسن کے ورنہ
نہ خم پشت فلک ہوتی نہ تر روئے زمیں ہوتا

وہ مجھ سے شکوۂ درد جدائی سن کے کہتے ہیں
خلق ہم کو بھی ہوتا ہے مگر اتنا نہیں ہوتا

حکومت کس طرح سے کرتے ہیں معشوق پر عاشق
دکھاتے ہم بھی دنیا میں اگر ایسا کہیں ہوتا

نہ ہوتا اس طرح **کیفی** سراسیمہ پراگندہ
اگر کمبخت کو کچھ بھی خیال کفر و دیں ہوتا

ناز شوخی سے سوا شوخی سوا ہے ناز سے
کونسا انداز کم ہے، کون سے انداز سے

ہم یہ کہتے ہیں کوئی واقف نہ ہو اس راز سے
انکی بیجا خامشی کہدیتی ہے آواز سے

چیختا ہے کوئی کس حسرت بھری آواز سے
کون ہوگا یہ تمہیں پہچان لو انداز سے

شوخیاں کرتا ہے محفل میں عجب انداز سے
میں کہوں آہستہ کچھ تو وہ کہے آواز سے

وہ بھی دن آئیں بلائے وہ ہمیں اعزاز سے
ہم کہیں فرصت نہیں، وہ پھر اسی انداز سے

دل دکھے جس بات سے میرا وہی کہتا ہے تو
ہے یہ تیرے ہمراز کی سازش میرے ہمراز سے

مارتی بھی ہے جلاتی بھی ہے تیری چشمِ شوخ
یہ کرشمہ ہی جدا ہے سحر سے اعجاز سے

چھوٹ کر قیدِ قفس سے شاخِ گل پر بیٹھتے
تھی امید اتنی نہ ہم کو طاقتِ پرواز سے

تم ملو جھجک کر نہ اٹھکر ہاں مگر دل سے ملو
قدر عاشق دل سے ہے یا ظاہری اعزاز سے

کر نہ یوں انکار میری عرض پر دیکھ اس طرف
کہتی ہے چشمِ سخن گو کچھ دبی آواز سے

کوئی ہوگا وہ جو نیرنگِ فلک سے سہم جائے
ہم نہیں ڈرتے ہیں ایسے افترا پرداز سے

دل کسی پر کس طرح آیا کسی سے کیا کہیں
خود نہیں واقف نہیں ہیں اب تک اپنے راز سے

کوئی دل ٹوٹا ہوا الجھائے تو اس سے سنو
آتی ہیں کیا کیا صدائیں سازِ بے آواز سے

یا الٰہی دردِ دل میں ہو تو کیوں ظاہر ہو وہ
ہم نظر آتے ہیں ناحق نارواناساز سے

جرعہ کش حافظ کا ہوں کیفی دکن میں ہوں تو کیا
کھنچکے میرے جام میں آتی ہے مے شیراز سے

حضرت کیفی سے ملکر آج ہم سمجھے کچھ اور
ورنہ سمجھے تھے کہ ہیں اک رند شاہد باز سے

برق میں آ نہیں سکتا ہے تڑپنا اپنا
دین اللہ کی یہ رنگت ہے اپنا اپنا

یاد آتے ہیں وہ بھروپ تری فرقت کے
سبحہ خوانی کبھی مالا کبھی جپنا اپنا

جو بسے من میں وہ سپنے میں دسے کہتے ہیں
ہائے ایسا بھی تو کوئی نہیں سپنا اپنا

نہ سہی وہ نہ سہی دل بھی تو قابو میں نہیں
کیا پرائے سے گلا جب نہیں اپنا اپنا

دیکھتے ہم بھی ہیں پیچ اونچ مگر مینچ کے آنکھ
سب جسے کہتے ہیں ہونسا وہ ہی سپنا اپنا

اس سے کچھ بڑھ کے نہ نکلو تو چلو ہم ہارے
قد کسی روز قیامت سے بھی نپنا اپنا

تیرے عاشق بھی تو کچھ کم نہیں معشوقوں سے
سخت دشوار ہے ایسوں میں پنپنا اپنا

فقرے کس کس کے ذرا اور نہیں کھلجاتے دو
رنگ لائیگا پھر اس بزم میں چھپنا اپنا

دیکھ سکتا ہے بھلا ساقیٔ کوثر کیفی
چلچلاتی ہوئی اس دھوپ میں تپنا اپنا

رباعیات

ہے مدنظر جس کو رعایا کی فلاح وہ کون ہے۔ ہم رتبہ جم آصفجاہ
سلطان گدا پرور و عادل باذل عثمان علی شاہ دکن ظل اللہ

اہل اسلام کا ہے ملجا۔ مامن۔ چپہ چپہ اس کا ہے گلشن گلشن
قائم دائم رہے الٰہی۔ یہ شہر رشک فردوس۔ حیدرآباد دکن

وہ اب کیا خاک آئے ہائے قسمت میں ترسنا تھا تجھے اے ابر رحمت آج ہی اتنا برسنا تھا

کیسی ہے یہ بےچینی کیسا ہے ترا رونا کچھ کہہ تو سہی اے دل آخر تجھے کیا ہونا

کس منہ سے کریں شکوے اس ظالم بدخو کے معشوق بنایا ہمیں سچ ہے کہ ہمیں چوکے

یہ کیسی چھیڑ ہے یہ ہر گھڑی کی دل لگی کیسی طبیعت آدمی کی ہے کبھی ایسی کبھی ویسی

میں کسی کام کے قابل تو نہیں تھا کیفی
ہاں مگر دیدۂ عبرت کے بہت کام آیا

قطعات تاریخ وفات

مولوی احمد سعید صاحب حامد حضرت کیفی مرحوم کے بہت اچھے شاگردوں میں ہیں قومی مجالس میں آپکی اخلاقی و تاریخی نظمیں خاص اثر پیدا کرتی ہیں اور اس تقریب سے آپ پبلک شاعر کہے جا سکتے ہیں استاد کیفی کی وفات پر آپ نے تین زبانوں میں تاریخیں لکھی ہیں۔ ہماری درخواست پر آپ نے تینوں تاریخیں عطا فرمائی ہیں جنکو شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

تاریخ عربی

مات کیفی مسافراً نغّص الموت غربته
قال حامد مورخا نوّر اللہ تربته

۱۳۲۹ ف

فارسی

کیفی جادو بیاں کرد چو عزم جناں — گشت ہوائے خزاں دشمن باغ سخن
حامد شیریں دہن گفت بسنش پر محن — رفت زبزم سخن۔ آہ چراغ سخن
۱۹۱۹ء

اُردو

وہ ضیا شمع رخ خواجہ اجمیر میں تھی — مثل پروانہ فدا ہو گئی ذات کیفی
سال رحلت کا جو حامد نے کہا خوب کہا — جب خوش آنہ ہو کیا وجہ وفات کیفی

قطعۂ یاد استاد

مولوی ریاض الدین علی صاحب ریاض نے استاد کیفی کی یادگار میں ایک بزم مشاعرہ ترتیب دی تھی اس موقع کے لئے یاد استاد کے نام سے ذیل کا قطعہ لکھا تھا جسکو ہماری درخواست پر عطا فرمایا ہے آپکا شکریہ بھی فرض ہے۔

میرے استاد کیفی زندہ دل فرد یگانہ تھے — کہو یا دشمن بخیر انکے تلمذ اور صحبت پر
خصوصاً آج اس جلسہ میں وہ تشریف لائے تھے — نظر رہتی تھی کل اہل سخن کی انکی صورت پر
جوار رحمت خواجہ میں پائی ہے جگہ اچھی — ہے غائب میں بھی اب ناز اس حاضر طبیعت پر
اگر اجمیر جاؤ تار اگڑھ کی راہ میں دیکھو — محبت کا سبق ملتا ہے اب تک انکی تربت پر
میرے استاد بھائی جس قدر ہیں ان پہ لازم ہے — پڑھیں اب فاتحہ ان پر کہ مبنی ہے سعادت پر

ناشرات کتبخانہ "بزم ادب"

کلام کیفی - حیدرآباد کے مایہ ناز شاعر حضرت سید رضی الدین حسن کیفی مرحوم کے کلام کا مجموعہ تین حصوں میں پہلا حصہ غزلیات۔ دوسرا نظمیات تیسرا متفرقات قیمت (۸ر)

حیات کیفی حضرت کیفی مرحوم کے حالات زندگی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت (۲ر)

نظم کیفی کیفی مرحوم کی ادبی۔ اخلاقی۔ تاریخی نظموں کا مجموعہ۔ ۔ قیمت (۴ر)

رباعیات کیفی کیفی مرحوم کی رباعیات کا مجموعہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیر ترتیب

فارسی کلام کیفی حضرت کیفی مرحوم کا فارسی کلام۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیر ترتیب

یادگار کیفی شاگردان حضرت کیفی علیہ الرحمہ کا تذکرہ۔ ۔ ۔ ۔ زیر ترتیب

موازنہ کیفی جس میں دیگر شعرائے حیدرآباد سے حضرت کیفی کے کلام کا موازنہ کیفی مرحوم کے کلام پر تنقید و تبصرہ اور مشاہیر ملک کے آراء درج رہیں گے۔ زیر ترتیب

کتب خانہ "بزم ادب"

عقب مسجد چوک حیدرآباد دکن